

آؤ پکارتے ہیں

الحق صلیب احمد

کترار ہے میں سامنے آنے سے آپ کیوں
کچھ مصلحت ضرور ہے اس اجتناب میں
وہ اور کھینچ گئے مرے دل کی کتاب سے
شاید کہ مجھ سے بھول ہوئی امتساب میں

ٹرین نے زوردار حمل دی اور دھیرے دھیرے
آگے بڑھنے لگی۔

پلیٹ فارم پر موجود لوگوں، مختلف اسٹاژ
دکانداروں اور چھائی فروشوں میں لچل ہمارے درج پر
فکڑی مچی۔ بے اعتنا شور مچا۔ کوئی پتھر پھینکا کوئی ملن
کے آنسو صاف کرتے نظر آ رہا تھا۔ وقت بھی کتنا عجیب
ہے۔ کسی کے لیے اسے دامن میں مسرتوں کے پھول
لاتا ہے تو کسی کی پھولی میں جدائی کے کانٹے
بھردیتا ہے۔

وہ بھی آج اس شہر سے جدا ہو رہی تھی۔ جہاں
زندگی کے بیس سال اس نے ماں اور باپ کی از حد
محبت بھری پناہ میں گزارے تھے۔ ہر دکھ پریشانی سے
بے نیاز رہ کر۔ اب ان کے دنیا سے جانے کے بعد وہ
بھراپرا شہر اس کے لیے انجان، بے مروت بن گیا تھا۔
لاکھوں کی آبادی میں کوئی اس کا گناہ قیام اپنا نہ تھا۔
ماں، باپ کے مرتے ہی وہ بے آسرا ہوئی تھی۔ اس کی
اب یہاں کوئی جائے پناہ نہ رہی تھی۔ اہاں اور اب کے

چالیسویں کے بعد ہی مہوش آئی نے اپنے شوہر صابر
ملک کی مدد سے وہ چار کمروں، کھٹے صحن اور بڑے سے
برآب سے والا پختہ مکان فروخت کر دیا تھا۔ کس قدر
روٹی س وہ اس دن۔ مہوش آئی کی بہت ملت و ناجست
کی تھی کہ اس مکان کو فروخت نہیں کریں۔ اس مکان
سے اسے اماں اور ابا کی فخریہ زمین آئی تھیں۔ ان کی
یادیں گھر کے چبے چبے میں بھری ہوئی تھیں۔ اسے ملتا
تھا ابھی کسی لمحے وہ دونوں مسکراتے ہوئے آجائیں
گے۔

گھر ہمیشہ کی محسوس اور سنگ دل آئی نے اس کی
ایک نرسہ۔ مدد کے لیے اس نے صابر بھائی کی طرف
دیکھا لیکن وہ تو اول روز سے "کیا حکم سے میرے
آقا" کی مثال تھے۔ بھلا کس طرح اس کی مدد کر سکتے
تھے۔ جواب میں انہوں نے یہی کہا کہ "مہوش آپ
کی بڑی بہن ہیں اور وہ جو کچھ بھی کر رہی ہیں آپ کی
بہتری و بھلائی کے لیے ہے۔"
ان جیسے شریف، سچ جو، امن پسند اور ہامروت و

پر غلوص شخص سے یہ توقع ہی عبث تھی کہ وہ بھی بیوی کے آگے لب واکریں۔ وہ تو آپی کے بے دام غلام تھے۔ پھر وہی ہوا، آپی نے مکان فروخت کر ڈالا اور اس کی رہائش وومن ہاسٹل میں کر دی۔ اس نے ان کی از حد منت و ساجت کی کہ وہ کھر فروخت کرنی چکی ہیں؟ اسے یہاں ہاسٹل میں کیوں چھوڑے جا رہی ہیں؟ ساتھ کر پتی لے جائیں وہ ہاسٹل میں نہیں رو سکتی۔ لیکن اس کے آنسو اور سسکیاں ان کے پتھر دل کو ذرا بھی نہ پگھلا سکیں۔ انہوں نے حکم دیا تو بس وہ پتھر کی لکیر بن گیا تھا۔ اب چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے یا مین آسمان پر پہنچ جائے یا آسمان دھرتی پر آجائے، ان کے فیصلے میں رد و بدل ناممکن تھا۔

خلاف توقع اس بار صابر بھائی نے بھی ہونٹ وا کر کے زبان کو جنبش دی کہ ”مہار کو یہاں چھوڑنا مناسب نہیں ہے، ساتھ لے چلو، بنگلے میں کئی کمرے آلی ہیں کسی میں رو لے گی۔“ لیکن جواب میں آپی نے خاصی بدتمیزی سے بچ کر کہا۔

”تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ہم بہنوں کے میان مداخلت کی۔“ اور صابر بھائی تو ان کی ایک ہی انت میں اس طرح لگا ہیں جھکا کر خاموش ہو گئے۔ بے کوئی بہت ہی نالائق اسٹوڈنٹ لٹچر سے ڈانٹ کھا رہے ہوں تو پرائیگری رکھ کر بیٹھ جائے۔ وہ پہلی بار آپی کی رعب شخصیت، بددماغی، سخت مزاجی، مغرور اور ہٹ نرم طبیعت سے بدظن و دلگرفتہ ہوئی تھی۔



ہاسٹل کے ماحول میں یہ ایک ماہ گزر جانے کے جو ذرا بد حسرت نہ ہو پائی تھی کہ اچانک ہی آمد بہار کر صابر بھائی کی کال آگئی کہ وہ گراچی چلی آئے۔

”سٹیشن پر اسے ریو کر لیں گے۔ وہ جو مر جانے کی تنک بدول و پڑ مردہ ہوئی تھی فوراً اس نے پیکنگ لی تھی۔ فرسٹ کلاس میں یہ ریزرویشن نہ ہو سکی تھی۔ جس ڈبے میں سیٹ ملی تھی۔ یہ عام ڈبوں سے کٹاوا تھا اور کم افراد تھے۔

ٹرین نے اسپید پکڑ لی تھی۔ پلیٹ فارم نگاہوں

کھانا پینا آپ سے برداشت کیوں نہیں ہوتا؟“

”ارے، حرص کرتی ہے میری جوڑا۔ ہونہ، تم جیسی چھٹی سے حرص کروں گی میں۔“

”بھو! انہیں تو زبان بند کر لیا کرو۔ یہ ریل ہے تمہارے باوا کا آگن نہیں ہے۔“ بڑی بی نے بیٹی کی طرف داری خاصے ہوشیار انداز میں کی تھی۔

”ارے واہ! مجھے نہیں اپنی بیٹی کو سمجھاؤ کہ یہ ریل ہے۔ اس کے باوا کا آگن نہیں۔“ وہاں سے ترمکی بہ ترمکی جواب آیا۔

”تم لوگوں کو جگہ کا احساس نہیں ہوتا؟ ہر جگہ رہا ان کھولے بیٹھ جاتی ہو۔“ بڑے میاں نے بہو کو غور سے ہوئے سر زرخش کی۔

”جیہڑ میں لائی کیا تھی اس سن بھر کی زبان کے علاوہ۔“

”مما! زیادتی کر رہی ہو تم بہت۔“ بڑے میاں کے ساتھ بیٹھے ہوئے مرد کی سنناتی سی آواز ابھری۔

مہار نے بے ساختہ بڑی بی کے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

”چپ کر، جو رو کے غلام۔ حمایت لے لے کر اس عورت کو تو نے سر پر بٹھالیا۔“ بڑی بی کو گویا کھولتے تیل کی کڑھائی میں پھینک دیا گیا ہو۔

وہ عورت جوان کی بیو تھی، ساس کا طعنہ اسے بھی انکاروں پر لونا گیا تھا پھر تو وہاں زبانی گولا باری اتنی شدید انداز میں شروع ہوئی کہ ریل کی چھکا پھٹک بھی سنائی نہ رہے رہی تھی۔ بڑے میاں، بڑی بی اور لڑکی ایک محاذ پر اور وہ میاں بیوی دوسری طرف۔ ایک دوسرے کے خاندانوں کی قصیدہ خوانی بڑے شاندار لفظوں میں کی جا رہی تھی۔ ارد گرد کی سیٹوں پر بیٹھے لوگ بھی وہاں اٹھ کر تماشہ دیکھنے آگئے تھے اور ان کی لڑائی ختم کروانے کے بجائے دونوں پارٹیوں کو اس طرح سپورٹ کر رہے تھے کہ وہ ان کی ہنسی لگا ہوں اور منکس لبوں سے بے نیاز آپس میں خوب لڑ رہے تھے۔

ابھی یہ بنگامہ نامعلوم کیا صورت اختیار کرنا کہ معا

کیسے، سے وہ دراز و اسارٹ شخص ٹریول بیگ ہاتھ میں تھا اسے اندر داخل ہوا تھا۔

اس کے بلو جینز اور پینک ٹی شرٹ سے پھوٹی مسکون کن منک ہر سو پھیل گئی تھی۔ اس کی سرخ و سپید رنگت، دھوپ کی تمناز سے سرخ ہو رہی تھی۔ ڈاکر گلاس ہاتھ میں پکڑتے ہوئے اس نے ایک طائرانہ نظر وہاں فتح پر ڈالی پھر جب سے ٹکٹ نکال کر شاید برتھ نمبر چیک کر رہا تھا۔ اس کی آمد پر حیرت انگیز طور پر وہاں چھتری جنگ فوری بند ہوئی اور لوگ شاید اس کے لیے چوڑے سرائے، پردہ قار و ہار عیب شخصیت سے مرعوب ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر چلے گئے تھے۔

”ارے میاں! کہاں چلے آ رہے ہو؟ یہاں جگہ نظر آرہی ہے تمہیں؟“

”بی۔ یہ میری سیٹ۔ ہے۔ میرے ٹکٹ پر یہی نمبر درج ہے۔“ اس کے شانستہ و مہذب لہجے میں کچھ ایسی سرد مہری دھت دھرتی کا عنصر نمایاں تھا کہ بڑے میاں نے خاموشی سے سمٹ کر جگہ دے دی تھی۔ اس نے ایک نگاہ اس مٹتی سنناتی سیاہ چادر میں سر جھکائے بیٹھی لڑکی پر ڈالی تھی۔ پھر اناؤدہ چھوٹا سا بیک درمیان اس طرح کھٹک کر بیٹھ گیا تھا کہ اس کے ارد گرد کے درمیان خاصا فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ جبکہ مہار مزید کھڑکی سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ اجنبی کے لبوں سے نکلتی ہوئی منک نے اسے مقید کر ڈالا تھا۔ شاید وہ بے حد پر فہوم اسیرے کرنے کا عادی تھا۔

چند لمبے ماحول پر سکون رہا تھا پھر سامنے والوں کے حالات بگڑنے لگے تھے۔ تینوں خواتین ابھی تک پرانے محاذ پر قائم تھیں۔ اس مرتبہ ان کے کچھ دھیمے تھے اور دونوں مردوں نے بھی دھل دینے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ وہ اس آ۔ بڑے اسے مسافر سے انٹرویو لے رہے تھے۔

”کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

”گراچی۔“

”کسی عزیز سے ملنے جا رہے ہیں؟“

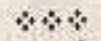
”جی نہیں، گھر ہے میرا۔“

”اچھا، یہاں لاہور کس سلسلے میں آئے تھے؟“
 ”بڑس کے سلسلے میں۔“ اس کی شخصیت دیکھتے
 ہیں جس قدر پرکشش و وجہ تھی، البتہ ابھی اس قدر
 ہی سپاٹ اور روکھا تھا۔ بڑے میاں کے سوالوں کے
 جوابات اس نے بالکل بے تاثر اور بیزار انداز میں
 دیے تھے اور ان کے چپ ہوتے ہی سرعت سے
 بیک سے انگلیں میگزین نکال کر چڑے کے آگے کر لیا
 تھا اور بڑے میاں حزیہ انگریز کی حسرت دل میں دبا
 گئے۔

”کیوں ہر جگہ تماشہ دکھاتے ہو؟ لوگ؟“ آخر کرب
 عقل آئے کی تم لوگوں کو؟ یعنی حد ہے جہالت و گنوار
 ہاں کی۔“ بڑے میاں اس بار دیوی اور بیٹی کو اپیل کر
 بولے۔

”میں تو پہلے کہہ رہی تھی میں نہیں جاتی ان لوگوں
 کے ساتھ۔ ان کو نہ اپنی عزت کا خیال ہے اور نہ
 دوسروں کی۔ مگر میری سہتا کون ہے؟“ بہو تہیم نے
 اہلی دی تھی۔
 ”بیکرا خاموش ہو جاؤ۔ والد صاحب سمجھا تو رہے
 ہیں۔“

”جو کچھ نہیں چاہتا وہ کسی کے سمجھانے سے نہیں
 سمجھتا۔“ جیسے کہتا سمجھا تھا کہ اس خاندان کی لڑکی مت
 لا۔ اس خاندان کی لڑکیاں جہاں بھی لگیں اسی طرح
 گھروں میں آگ لگاتی ہے۔ سسرال تو ایک آنکھ
 نہیں بھاتا ان کو۔ مردوں کو بھی زن مرید بنالیا کرتی
 ہیں۔ مگر تو نہیں مانتا۔“ جیسے مانتا، اس بھوتی کی محبت کا
 جادو جو سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ ”بڑی بی ہاتھ لہرا کر کسی
 سیاقی لیڈر کے سے انداز میں گویا ہوتی تھیں۔
 اور اس کا ذہن پھر ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے
 لگا تھا۔



”اماں! مبوش آئی کراچی سے اس طرح آتی ہیں
 جیسے امریکہ سے سات آنکھ سال بعد آ رہی ہوں۔
 حالانکہ لٹاٹ لٹاٹ انہیں چند گھنٹوں میں یہاں پہنچا دیتی
 ہے اور آپ بھی بھی نہیں مانی ہیں۔“ میری دوست

مسرت کی بہن دینی میں رہتی ہیں لیکن وہ ہر سال بچوں
 کی پیمپوں میں آتی ہیں اور دوبارہ رو کر جاتی ہیں۔ آئی
 اسے سالوں بعد آتی ہیں اور ایک ہفتہ بھی بمشکل رہتی
 ہیں۔ اس دوران ان کا موڈ بدستور بگڑا ہوا رہتا ہے اور
 صابر بھائی سے تو ابھی بھی ان کو میں نے سیدھے منہ
 بات کرتے نہیں دیکھا۔ وہ ہر وقت ان کے غم سے
 اٹھتے رہتے ہیں لیکن آئی۔

”پہلے تو ایسی نہیں تھی مبوش، بے حد حسین ہونے
 کے ساتھ ساتھ اس کی خوش اخلاقی و مہربانی کے
 چرے مجھے میں تھے۔ شادی کے بعد انکی ہوئی۔ اب
 تو مدت ہوئی اسے ایوں سے ملے ہوئے۔ کسی سے فنا
 پسند نہیں کرتی۔ بعض اوقات تو مجھ سے بھی اس کا رویہ
 اکھڑا اکھڑا اور بیزار ہوتا ہے۔“ بہتری بانی اماں کی
 آواز مدھمکتی تھی۔

”اماں! آئی کی شادی پسند سے نہیں ہوئی تھی؟“
 بہت عرصے کا دل میں چھپا سوال آج اس نے پوچھ
 ہی ڈالا تھا۔ ویسے بھی اماں کی اور اس کی بہت دوستی
 تھی۔ کان سے آنے کے بعد وہ اماں سے قریب ہی
 رہتی تھی۔

”ہاں۔“ شاید یہیں مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔ ”اماں
 نے گما آرزو سانس لیا تھا۔ ”مدثر سات چھوٹی
 بہنوں اور جن چھوٹے بھائی اور بیوہ ماں کا واحد قریبی
 تھا۔ اتنا بڑا لکڑ اور فرائض و ذمے داریوں اور قرض
 میں جس شخص کا بال بال جکڑا ہوا تھا بھلا ایسے شخص کو
 یہی کس طرح بی دے سکتی تھی۔ مبوش دیوانی دور تھی
 تھی۔ اس کا کہنا تھا وہ مدثر کے ساتھ مل کر اس کی ذمہ
 داریاں بٹانے لگی۔ یہی حرف شکایت زبان پر نہ لائے
 گی۔ اس کی خواہش تھی مدثر کا پر پول قبول کر لیا جائے
 لیکن میرا دل اس رشتے کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ ہر ماں کی
 طرح میری بیٹی خواہش تھی کہ میری بیٹی چھوٹے کنبے

میں بیاہی جائے جہاں اس پر ذمے داریوں کا بھاری
 بوجھ بھی نہ ہو اور اسے عزت و وقار بھی ملے۔ اسی
 دوران ایک جاننے والی صابر ملک کا رشتہ لے کر
 آئی۔ صابر ملک کے آگے پیچھے کوئی نہ تھا اور اس کی

ملازمت بھی اچھی تھی۔ میں نے دور رشتہ قبول کر لیا۔
 کیونکہ صابر ملک ہر طرح سے بہتر لڑکا تھا۔ تھوڑے رے ابا
 نے ایک دو دفعہ کہا بھی کہ مبوش کی جہاں مریمیں دور دور
 رشتہ کر مگر میں اس کا مستقبل دیکھ رہی تھی۔ میں نے
 دو قس باپ بیٹی کی نہیں سنی اور صابر ملک کے ساتھ چند
 ماہ میں اسے رخصت کر دیا اور دو بیواہ کر کر اپنی پہلی
 بیٹی۔

”آئی نے کچھ کہا نہیں؟ خاموشی سے شادی
 کر لی؟“

”ہاں۔“ وہ بہت فرمانبردار اور سعادتمند
 تھی۔ اس نے بھی میری باپے باپ کی حکم عدولی نہیں
 کی تھی۔ مدثر کے رشتے پر بھی اس نے شاید مدثر کے
 کہنے پر بات کی تھی۔ میں نے منع کر دیا، وہ خاموش
 ہوئی اور اسی خاموشی سے رخصت ہو کر چلی گئی۔ سننے
 ہیں دولت عورت کے نصیب سے اور اولاد و مرد کے
 مقدر سے ہوتی ہے۔ مبوش صابر کے لیے خوش بخت
 ثابت ہوئی تھی۔ شادی کے کچھ ماہ بعد ہی اس کے
 بڑس میں اختلاف ہو چلا گیا۔ اس نے بیٹے علاقے
 میں محل لیا کوشی بنوائی تھی اور دولت مند بن گیا۔ لیکن
 مبوش کے نصیب میں اولاد نہیں تھی۔ اس معاملے میں
 وہ غمگین رہی۔ صابر ملک اسے بہت چاہتا ہے۔ ایسا
 محبت کرنے والا شوہر کسی کسی کو ملتا ہے۔ لیکن مجھے ملتا
 ہے مبوش ابھی مدثر کو بھلا نہیں پاتی اور اس کا بدلہ وہ ہم
 سب کے ساتھ ساتھ صابر ملک سے بھی لے رہی
 ہے۔ ابھی بھی مجھے ایسا لگتا ہے وہ جان بوجھ کر ماں نہیں
 بننا چاہتی اور یہ بہت بڑا قلم ہے صابر ملک کی کوئی
 شناخت ہی نہیں رہے گی۔“

”خاندانی بولیں۔“ جائے والا گرم پیش لے لو۔“
 کسی کشیش پر کاڑی دی تھی۔ ایک دم ہی شور مچا اٹھا تو
 وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

اس کے برابر میں بیک رکھا ہوا تھا اور سیٹ خالی
 تھی۔ بڑے میاں اٹھ کر بیڑی بی سے کچھ ہنسر پھسر
 کر رہے تھے۔ بیٹان کا شاید بچوں کو لے کر تہہ زین سے
 اتر اٹھا۔ بہو صاحبہ گیت سے لگی گھڑی نظر آئیں۔ اس

نے چادر ٹھیک کرتے ہوئے کچھ ہانگوں کو حرکت دی
 اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سامنے بیٹھی لڑکی نے کچھ
 حاسدانہ لگا ہوں سے اس کی یہ چادر کی ٹوٹ سے
 پھٹتے لگائی حسین چہرے کو دیکھ لیا۔ پھر خواہ مخواہ
 ”اوجھ“ کہہ کر کیلے پھیل کر کھانے لگی۔ اس پر بھلا اس
 اولیہ کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر تھکی
 افراتفری دیکھنے لگی۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ
 آئے اسے لیں سے غور و فکر مند تھی۔

آئی کا سے کچھ کر کیا رہیں ہوگا؟

وہ اسے برداشت بھی کر نہیں کی یا یوں ہی سکھور پین
 و بے اٹھنا کی کا مظاہرہ کر سکی؟ یا شاید۔۔۔ اسے
 اچانک و بغیر اطلاع کے سامنے دیکھ کر نا معلوم کیا
 کریں؟ ایسے ہی پریشان کن خیالات نے اسے آخر
 سراسیمہ کر ڈالا تھا۔ بائیں سے تو وہ دینی آئی تھی مگر اب
 جب کہ سفر اٹھاٹے ہو گیا تھا اسے آنے والے وقت
 نے سہا ڈالا تھا۔ بھوک، پیاس، نیند و سکون سب چھین
 گیا تھا۔

گھڑی نے دس دی، تمام لوگ جو بیٹے اترے تھے
 اوپر چڑھنے لگے تھے۔ وہ بھی سب سے آخر میں آیا
 تھا۔ ایک نعر انگیز شوہر طرف پھیل گئی تھی۔

سفر جاری تھا۔ رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔
 سامنے رتھ پر امن و سکون کی فضا قائم تھی۔ لڑکی بڑی
 بیڑا بھری لگا ہوں سے چوری چوری دیکھ لیتی تھی لیکن
 وہ شخص گویا سب سے ہی ناراض بیٹھا تھا اور کسی کی
 طرف ایک نگاہ و التماس کی اسے گوارہ نہیں تھا۔ بیڑا رکی و
 کو وقت بلکہ وہ بھی اس کے چہرے سے عیاں تھی اور
 لڑکی کی نگاہیں مبوش کر کے اس کے وجہ چہرے پر
 از حد شجیدگی کے ساتھ تھی و مرمی کے تہرات ہو یہ وہ
 ہو گئے تھے۔ پھر وہ اٹھ کر اوپر پر رتھ پر سونے چلا گیا
 تھا۔ مگر ابھی آکھیں موند کر بیٹھ گئی۔

نا معلوم کس لئے نیند اس کی آنکھوں میں شہدت
 سے اتر آئی اور پھر عجیب سے شور سے اس کی آنکھیں کھلی
 گئی۔ نا معلوم کون سا کشیش تھا جہاں کاڑی دی تھی۔
 وہ بیٹی اتر گئی تھی اور اب وہاں بڑا جھان بونے والا وہ

گروہ نو جوان لڑکوں پر مشتمل تھا۔ بلند قد تھے اور لہجہ
 سنگھان کی تھی ذہنیت گھٹیا کردار کی علامت تھی۔ گاڑی
 نے رفتار بڑھائی تھی۔ وہ خاصی بد مزاجی سے چلنے لگی تھی۔
 بیٹھ گئے تھے۔ اس کو ایک دم ہی گھبراہٹ ہونے لگی۔
 کھڑکی سے چپک کر بیٹھنے کے باوجود اس کا شانہ اس
 لڑکے کے بازو سے مس ہو رہا تھا۔ وہ جتنا سمت رہی
 تھی وہ اس قدر ہی اس کی طرف کو کھسک رہا تھا۔
 "دور ہو کر بیٹھیں آپ۔" ہلا خراسے اس بد مزاج
 لڑکے کو نکل پڑا۔
 گرجھ بے دراز شمول کی سماعتی سے وہ گھبرائی۔
 پریشان اور کچھ تکی کا عنصر ہے آواز گھرائی تو وہ یونک
 اٹھا تھا۔ اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا تو نیچے
 لڑکوں کو براہمن پایا۔ دو لڑکی تھیں وہ دو لڑکی بچہ رہا تھا
 (کیونکہ کئی گھنٹوں کے سفر کے دوران بھی وہ خاموش
 بیٹھی تھی، اپنے برابر میں بیٹھنے لڑکے سے مخاطب تھی)
 لیے بحر میں بیٹھیں کا اندازہ کر کے اس کی بیٹنی پر
 گھنٹوں کے جاں بڑے گئے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
 "کیوں دور ہو کر بیٹھیں؟ کیا کانٹے لگے ہوئے
 ہیں ہم میں؟" حسب معمول وہ لڑکے سے استنہا اور
 گھبرایا ہوا دیکھ کر فری ہونے لگے تھے۔
 "نہ اس کے کئے بات مزید بڑھتی۔ وہ بیٹھے اتر آیا تھا
 اور اس لڑکے سے سیٹ خالی کرنے کو کہا تھا۔
 "ہم تو شہنشاہ ہیں سراجہاں بیٹھے گئے سو بیٹھ گئے۔
 آپ کو اب سیٹ خالی نہیں ملے گی۔" اس لڑکے نے
 خاموشی سے اس کی بات کو اس کے ساتھیوں نے وحشیانہ
 قہقہے لگا کر سنیاں، بھانکنا اپنے دوست کی بات کی تاکید
 کی تھی۔ جو با شمول کیل نے اسے گریبان سے پکڑ کر
 ایک جھٹکے سے اٹھا کر دوسری سیٹ پر پھینک دیا پھر
 مہکار اور اپنے درمیان بیگ رکھ کر اٹھیمان سے بیٹھ
 گیا۔ اس صورت حال سے مہکار کا رنگ اڑ گیا تھا کہ
 اس لڑائی کا اندیشہ تھا۔ وہ تعداد میں چار تھے جبکہ وہ تنہا
 اور پھر اس کی جہت کی اٹھیمان رہی جب اس نے اس
 لڑکے کو جھک کر بیٹھنے اور کہتے ہوئے دیکھا۔
 "نویل! ذرا آپ تو ناپ کے فائدہ لگ رہے۔
 "ہاں۔" اس لڑکے کے لیے میں حقیقی ستائش و
 توصیف تھی۔ اس کے ساتھی بھی خاصے متحرک رہے
 تھے۔ پھر کچھ دیر میں ہی ان کے درمیان بے تکلفی اور
 دوستی کی لہذا قائم ہوئی تھی۔ مہکار کو بھی اب وہ لوگ
 بہت احترام سے سسٹم کر پکار رہے تھے۔
 وہ لوگ کھانے پینے کے بہت شوقین تھے۔ سارا
 راستہ کچھ نہ کچھ کھاتے رہے تھے۔ کوئل ڈرنگس، چائے
 سے بھی شغف جاری تھا۔ وہ ہر بار مہکار سے بھی اصرار
 کرتے لیکن وہ خاموشی سے انکار کر دیتی۔
 کوئل انکسشن پر اس نے دولہا بھائی کو دیکھ کر
 اٹھیمان کا سانس لیا۔
 "میں آج سہرا ہند رک رہی تھی۔ وہ اپنا بیگ لے
 کر کھڑکی ہوئی۔ جب کہ وہ لڑکے بھی شمول سے
 ہاتھ ملا کر گیت کی طرف بڑھ گئے تھے۔ وہ بیگ
 اٹھانے میں گھڑا آنکھوں پر لگا رہا تھا۔ مہکار نے
 کھڑے ہو کر چادر اچھی طرح کوڑھی اور ایک حصہ
 لے کر چھپے کے گرد اس طرح پھیلانے صرف آنکھیں
 نظر آ رہی تھیں۔
 "جب بندے میں اپنی حفاظت کی طاقت، حوصلہ
 اور جرات نہ ہو تو گھر سے تنہا نہیں نکلتا جاسے ورنہ کوئل
 و خوفزدہ ہے حوصلہ فروگے لیے بھیج بھی آفریں" بن جانی
 ہے۔" وہ صابر بھائی کو کپارٹمنٹ میں داخل ہوتے
 دیکھ کر آگے بڑھ رہی تھی جب وہ اس کے قریب آ کر
 اپنی لمبی و تنیدہ آواز میں گویا ہوا اور اس کے بنا گیت
 سے باہر نکل گیا۔
 "ہیلو، آگے تم؟ ایک دن بھی مزید رکنا گوارہ نہیں
 کیا کرتے؟"
 "کیا کرتا ایک دن اور رک کر؟" وہ مخصوص
 چڑچڑ سے ہنسنے لگی۔ "میں تو اسے گویا ہوا اور سرکری کی پشت
 سے لگا کر بیٹھ رہی تھی۔ آنکھیں موند گئیں۔
 "یعنی اس بار بھی ناکامی نے تمہیں "وینکم" کہا
 ہے۔ خیر دیر آید درست آید۔ تم پریشان مت ہو
 کامیابی انسان کا سرخسر سے بلند کرتی ہے تو ناکامی اس

کے راستے ہزار کرتی ہے۔ اسے آگے بڑھنے کی لگن و
 انگ۔" جتنو پیدا کر لی ہے۔"
 "مجھے داد کی جان کی طرح تسلیاں مت دو۔ کوئل
 منگواؤ بعد میں سوچ سکے۔"
 "او کے مائی لارو۔ تمہیں اتنی جلدی آنے کی کیا
 ضرورت تھی؟ کچھ دن مزید کوشش کر دیکھتے۔" اس
 نے چڑا کی کوئل کا کام پر آؤ روپے کے بعد شمول
 سے کہا۔
 "جب اطلاع پر لکھت تھی بلکہ میں خود وہاں
 معلومات کر کے آیا تھا وہاں کوئل کیوی نہیں ہے تو میں
 پھر کچھ بھی ضائع کرنے کا روادار نہیں ہوں۔"
 "سہرا تو آج کل دیر سے آ رہے ہیں، تمہیں رخصت
 انتظار کرنا پڑے گا۔"
 "کیوں؟ خیریت تو ہے؟" اس نے آنکھیں
 کھول کر بے ساختہ پوچھا۔
 "ان کی بیگم آج کل کیسے مچی ہوئی ہیں تو وہ
 آزادی کی زندگی گزار رہے ہیں۔" راجیل نے حسب
 عادت شوشی سے کہہ کر خود ہی قہقہہ لگایا تھا۔
 "شت اب، اپنی رپورٹ کے ساتھ تہناری بھی
 رپورٹ دینی پڑے گی مجھے۔"
 "مگر یا تم نے کچھ بھی نہیں کھایا ہے۔ چلو شاپز
 کھانا کھاؤ۔ اس طرح خالی پیٹ کب تک رہو گی۔
 پیار ہو جاؤ گی۔"
 "صابر بھائی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ آپ کی کا
 روئے مجھے یہاں دیکھ کر نا معلوم کیسا ہوگا۔ انہوں نے
 بہت تکی سے تاکید کی تھی کہ ہاتھ سے باہر بلا ضرورت
 نہیں لگو اور نہ ہی کسی سے زیادہ فریڈ شپ بڑھاؤ۔
 مجھے یہاں دیکھ کر تو وہ۔"
 "مگر ان بیٹا آپ کی آپنی زبان کی تڑوی ضرور
 ہیں مگر طبیعت کی بہت اچھی ہیں۔ آپ اور ان کی انتہا
 میں خاصا فرق ہے اس لیے وہ آپ پر بڑی بہن
 ہونے کے حوالے سے معمولی سا بفر کر رہی ہیں۔ اب
 کچھ غصہ ہوں گی پھر آپ خود دیکھنا وہ کس قدر معمول

ہیں۔ میں کھانا مائی نورن کے ہاتھ کمرے میں ہی بیٹھ
 رہا ہوں۔ کھا کر بے فکر ہو کر سو جاؤ۔" اس میں خود سب
 کچھ سنہال لوں گا۔ او کے۔" گندنا منٹ۔"
 صابر بھائی اس کے سر پر ہاتھ چھپتا کر کمرے سے
 نکل گئے اور وہ اندھنوں ڈنگروں کے بھروسہ میں
 چکر لائے گی۔ دوپہر کو اس نے ڈرتے ڈرتے آئی تھی۔
 خوب صورت بیگ میں قدم رکھا تھا۔ صابر بھائی نے
 حد سے زیادہ خوف زدہ دیکھ کر کہا تھا کہ ابھی تہناری
 آپنی سورہی ہیں۔ وہ بے فکر ہو کر کمرے میں آرام
 کرے اور صبح ہی اس کی شادی آپنی اس کی روادار
 بیٹی انتظار کر رہی ہوں گی، نورانی راہ ہوئی۔ صابر
 بھائی نے بتایا کہ وہ مہوش آپنی کی لاسی میں اسے لائے
 ہیں تو بارے خوف کے وہ جب سے اب تک بے حال
 تھی۔ کوشش کے باوجود وہ مچی تھی اور صابر بھائی کے
 الزحہ اصرار کے باوجود نہ کھانا کھایا، نہ چائے وغیرہ
 پیا۔
 دوپہر سے شام اور شام گزر جاسے کے بعد اسے
 صابر بھائی نے آکر بتایا کہ آپنی ابھی اپنی کسی کلوز فرینڈ
 کے ہاں پارٹی میں مچی ہیں جہاں سے ان کی والدہ
 رات گئے تک ہی ہوئی اور وہ سب تک آپنی کو سمجھا بھانکا
 منائی لیں گے۔
 "بی بی جی! کھانا کھاؤ۔ آپ خواہ مخواہ پریشان
 ہو رہی ہیں۔ ہماری بیگم صابر بہت اچھی عورت ہیں۔
 وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوں گی۔ ایک بہن دوسری بہن
 کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے نا کہ غصے۔ آپ کھانا کھاؤ
 اپنے گرم رودھ کے لے کر آئی ہوں۔ کھانے کے بعد
 دودھ پی کر سو جاؤ۔ سہرا سے ٹھک کر آئی ہو۔"
 نورن شاید قابل اعتماد نہ تھی جوہر بھائی کی
 رہائی اصل صورت حال سے واقف تھی اور خاموش
 پر اعتماد و تیز و طرار لگ رہی تھی۔ مہکار نے خود کو حالات
 کے دھارے پر چھوڑ دیا اور ایشیا انڈیز خوشبوؤں سے
 مہکتی شام کی طرف متوجہ ہو گئی۔
 صبح وہ معمول سے مٹ کر بیدار ہوئی تھی۔ نورن
 اس کی خدمت کے لیے موجود تھی۔ ناشتے سے فار

ہو کر اس نے بالوں میں پڑل کیا۔ پھر ہال پر اندھ کر فارغ ہوئی ہوئی تھی کہ دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور غصے سے سرخ چہرہ انگڑا آٹھنیں لیے آسانی ٹائی میں بیٹھ آئی کہ ہمارا انداز میں آگے بڑھتے دیکھ کر دوسراست رہی۔

”کس کی اجازت سے آئی ہو تم یہاں؟“ میں نے کہا تھا نہ کہ میری اجازت کے بغیر ہال میں سے قدم بڑھائیں، نکالنا پھر کیوں تم یہاں بیٹھیں؟“ انہوں نے وحشت زدہ انداز میں آگے بڑھ کر اس کے رخساروں پر پتھروں کی بارش کر دی تھی۔

مہکار اس قدر خوفزدہ ہو گئی تھی کہ وہ ڈرنا سمجھتا تھا کہ وہ نہ کر سکی۔ چار پتھروں مارنے کے بعد انہوں نے کمرے میں موجود شاہ کو توڑنا شروع کر دیا۔

”تمہیں چھوڑوں گی اس وارڈن کی بیٹی کو۔ بیل کرادوں گی ہال میں اس کا مقدمہ کرادوں گی اس پر۔ جب میں نے کہا تھا میری اجازت کے بغیر مہکار ہال میں سے قدم بھی باہر نہ نکالے گی“ پھر وہ اجازت لاہور سے کراچی کی طرح آگئی؟“

دو توڑ پھوڑ کے ساتھ ساتھ بری طرح چٹا بھی رہی تھی۔ ملازموں میں سے کسی میں ہمت نہیں کمرے میں جھانکنے کی۔ کھڑکیوں سے باہر ان کے منظر نظر آ رہے تھے۔

مہکار جلتے رخساروں کی تکلیف کے ساتھ ان کا وحشیانہ قصہ دیکھ کر تھک کر پڑ رہی تھی۔

”مہوش! کیا ہو رہا ہے یہ۔ پلیز کنٹرول کرو خود پر۔ اس قدر غصہ ٹھیک نہیں۔ یہ کیا پکڑنا حرکتیں ہیں۔“ صابر صاحب ایک دم پریشان ہو کھلائے ہوئے اندر داخل ہوئے اور آگے بڑھ کر میزوں کے شیشوں کو چٹنا چور کرتی بھری ہوئی مہوش کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر سمجھانے لگے۔ انہیں دیکھ کر مہکار کو کچھ حاسر بنی۔

”تم... تم دھوکے باز، ذلیل انسان! میری بہن کو میری اجازت کے بغیر کیوں لے کر آئے؟ اور اسے میرے ہی گھر میں لا کر مجھ سے چھپا رہا۔ تم کیا سمجھتے

ہو۔ میں آنکھیں اور کان نہیں رکھتی؟ میں گھر میں تبدیلی کو محسوس نہیں کر سکتی؟“ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے ان کا گریبان پکڑ کر بڑبائی انداز میں کیا۔

”تمہاری بیٹی جہاں تہمت لگے پتہ نہیں ہے۔ چلو، میں سمجھا تا ہوں نہیں۔“ وہ زبردستی انہیں کمرے سے لے گئے ورنہ وہ وہاں سے جانے کو تیار نہ تھیں۔

کمرے میں ایک دم بڑی ناخوشگوار موشی چھائی تھی اور وہ جوان کے غصے و ناراضگی کے خوف سے ہراساں تھی اس قدر جارحانہ توچن آمیز رویہ اپنا نہیں کہ بلاوجہ ہاتھ اٹھا نہیں گی، اس کی اس کو قوی نہ تھی۔ تھا ہونے ہی اسے اپنے تہا و بے سہارا ہونے کا احساس شدت سے ہوا اور وہ وہیں بیٹھ کر جگ جگ کر رہ گئی۔

”بس خاموش ہو جاؤ بی بی! کب سے رو رہی ہو آپ۔“ یگم صاحبہ اتنی سٹک دل اور کھوٹھ لگیں گی، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ فوراً بہت دیر بعد کمرے میں داخل ہوئی اور اسے بری طرح روتے دیکھ کر ہمدردی سے کہتی ہوئی اس کے قریب بیٹھ کر کہنے لگی۔

”خیر قصور ان کا بھی نہیں ہے بی بی جی اور اصل

جب عورت کا شوہر خوب صورت ہو اور دولت مند ہونے کے علاوہ معاشرے میں اعلیٰ مقام بھی رکھتا ہو تو ایسی بیوی کو وہی و شک تو ہونا ہی ہے اور جس پر وہ خاندان کو وارث دینے کے قابل بھی نہ ہو۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ ہمارے صاحب انہیں دل و جان سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ ان کی خوشی کی خاطر انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔“ صابر صاحب کے دوستوں کی بیگمات بھی آتی تھیں پھر یگم صاحبہ نے ان کے ساتھ بھی یہی بدسلوکی کرنا شروع کی تو سب نے آنا چھوڑ دیا۔ اب صرف صاحب کے دوست آتے ہیں اور ان کے دوستوں کے ساتھ یگم صاحبہ باہر گھومتے چلتی رہتی ہیں۔ صاحب کی محبت سے یہ کہ انہوں نے اسکی اعتراض نہیں کیا۔ وہ تو ان کی خوشی میں خوش ہیں۔“

نورن بڑے احترام سے صابر صاحب کے مزاج کے بارے میں بتا رہی تھی۔

”میں جتنی باتوں کی یہاں سے۔ نہیں رہوں گی

”کے گھر میں۔“ آئی کے رویے نے اسے کبھی حاسر نہ کیا کہ فوراً یہ گھر چھوڑ کر ہال میں چلے جانا۔

اسے نہیں، نہیں بی بی! صاحب آپ کو نہیں دانت لڑکی کے۔ وقت بہت خراب ہے۔ تمہاری لڑکی کا ہال انہوں کے ہوتے باہر رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ پھر صاحب تو آپ کو بیٹی کی طرح جانتے ہیں۔ سمجھی تو کہ کوئی کوششوں کے بعد یہاں ہوا ہے اور ہاتھ کا قصہ تو صاحب سب سمجھا لیں گے۔“

”شوٹنگ بیٹا! اب ان بوڑھی ہڈیوں میں طاقت کس ہے، گھر سجالے والی لے آؤ۔“ بھلا میں کب تک انہوں سے سہرے کے پھول دیکھنے کی آس میں بیٹھ سکتی ہوں۔“ وادی جان نے خاصے ناراض لہجے میں کھانا کھاتے شوٹنگ سے شکوہ کیا۔

”وادی جان! آپ کیوں بچن میں جاتی ہیں؟“

”میرا ملازم کس مرض کی دوا ہیں؟“

”گھر تو عورت سے ہی سنو رہا ہے اور ملازموں کی بھی خوب گئی تھرتھ۔“ پچھلے بھٹے یہاں کے باعث اٹھ رہی تو تم نے ایک نام بھی کھانا ڈھنگ سے نہیں کھا یا۔“ بچپن سے چھپیں کسی اور کے ہاتھ کے بنے کھانے ہاتھ نہیں آتے علاوہ میرے۔ لیکن بیٹا میرا دم کب

”پلیز... پلیز وادی جان! آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ اور آپ گھر والی کا خیال دل سے نکال دیجیے۔“ اس نے کھانے سے فراغت کے بعد یگم سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے عجلیدگی سے کہا۔

”کیوں نکال دوں دل سے؟ تو کب تک اس دانت لڑکی کی بے وفائی کا داغ ایسے ہر لڑکی سے طرے کرتا رہے گا؟ ساری لڑکیاں اس جیسی نہیں ہوتیں کہ۔“

”اب اٹ وادی جان! میں اس بچہ پر کچھ غصہ پتہ نہیں کرتا۔ نہیں بات کیا کریں اس اصول پر پک پر پلیز۔“ وہ پچھلے ہوا وہاں سے چلا گیا۔

کس روز تیری یاد کے ماتم نہیں ہوتے صد سے جی فرقت کے بھی کم نہیں ہوتے محسوس تو ہوتی ہے تیرے آنے کی آہٹ ٹھنکر و تیری پاکی کے ہر لمحہ گم نہیں ہوتے۔

”شت اب تمہارے منہ سے بھی انہی بات نکلی ہی نہیں سکتی۔“ لہجہ سے۔

”اسنے قسط قطعہ پر تم داد دینے کے بجائے دانت ڈبے ہو۔“ عمیر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ناراض لہجے میں کہا۔

”کیوں نہیں، کافی منگواؤ قاف۔“ اس نے

نہیں پر پیچہ بیت گھماتے ہوئے کہا۔

”تمہارے کس کا کیا ہوا؟ مزید کچھ کیوں لے؟“

انہوں کام پر آؤ ر دینے کے بعد عمیر نے دریافت کیا تو شوٹنگ نے غی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

”ایسے کیسوں میں پراہم یہ ہوتا ہے کہ ان گردہوں کی سرپرستی ایسے ایسے معزز و اعلیٰ طبق کے افراد کرتے ہیں کہ جن کے نام سامنے آجائیں تو تھلک نہ جائے۔“

”اس میں بھی کوئی“ گریٹ نیم“ انو الو ہے؟ شاید جیسی اس قدر برا بھلا ہو رہی ہیں نہیں ورنہ اس سے قس تو تم نے خاصے مشکل کیس حل کیے ہیں اور بھروسوں کو سناخوں کے پیچھے کیا ہے۔ ایک بیٹی میں درد سہا گیا ہے۔“

ملازم کافی لے آیا تھا۔ عمیر نے شوٹنگ کو ٹپ دیتے ہوئے اشارہ کیا۔

”میں نے کافی کو کم کمبلیٹ کر لیا ہے لیکن جب تک اصل مہرے تک نہیں پہنچوں گا سکون سے نہیں بچھوں گا۔ یہ عہد ہے میرا خود سے۔“

اسے یہاں آئے ایک ماہ گزر چکا تھا اور اس دوران آئی سے سامنے ہار ہار ہوا اور ہر پارا انہوں نے نہایت جتنی سے کی کہا کہ وہ یہاں سے بھی جائے۔ وہ اپنے علاوہ اس گھر میں کسی اور کو براہداشت نہیں کر سکتیں۔ ان کا رویہ اس قدر حقارت انگیز و نفرت

آميز ہوتا کہ اس کے دل میں جو ان کے لیے محبت و اپنائیت تھی، وہ رفتہ رفتہ ختم ہونے لگی۔ اور محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے کوئی سا تعلق نہیں رکھتی۔ ورنہ سب سے رشتوں میں نفرت و عناد کی برق بھی نہیں پائی جاتی۔ بڑی بہن کی ڈاؤن میں بھی شفقت و محبت کی چاشنی محسوس ہوتی ہے جو آپ کے رویے میں ہرگز نہ ملتی۔

ان کے برعکس صابر بھائی سب سے بڑھ کر محبت کرتے اور خیال رکھتے اور خصوصاً آپ کے پاس اسے تنہا نہیں چھوڑتے۔ ان کے مزاج اور زبان سے وہ بھی خائف رہتے تھے۔ اور اسے بھی تاکید کرتے کہ وہ آپ کے پاس تنہا نہ جائے کیونکہ وہ غصے میں کچھ بھی کر سکتی ہیں۔

موسم خوب صورت تھا۔ گلابی شام میں سرسبز پادلوں کا گلس بھلا لگ رہا تھا۔ ہوا میں فرشتہ بخش خوشبو تھی۔ سرسبز لان میں گلاب اور موگے کے پھولوں کے پودوں کے درمیان چبڑ پر بیٹھی وہ گرم گرم ہکڑوں، سوسوں اور چائے کے ساتھ ساتھ موسم کے صحن سے بھی لطف اندوز ہو رہی تھی۔ آپ اپنی کچھ دیر قبل ہی تیار ہو کر اپنی کار میں بیٹھ گئی تھیں۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا اور وہی کس وقت ہوتی تھی اس سے وہ ناواقف تھی۔

صابر بھائی آج کل بڑی تھے۔ ان سے بھی بہت کم ملاقات ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وقت نورن رہتی تھی جو اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتی۔ کئی بار وہ اسے شاپنگ پر بھی لے کر گئی (آپ کی غیر موجودگی میں) اور مزے مزے کے قصبے سنا کر اس کی پریشانیوں کو کم کر دیا کرتی تھی۔ ایک بات اس نے شہرت سے لوٹ کی تھی۔ وہ آپ کی موجودگی میں سائے کی طرح اس کے ساتھ ہی رہتی اور آپ کے گھر سے نکلے ہی وہ بھی چلی جاتی تھی۔ پھر رات نیند نہ آنے تک وہ تنہا ہی اس سے بڑے بڑے کمروں اور لمبے لمبے دالانوں والے گھر میں پھرائی پھرتی تھی۔

حسب معمول آپ کے گھر سے نکلے ہی نورن نے

بھی اجازت لی اور وہ تنہا بیٹھی لان میں اپنے وقت کو یاد کرنے لگی جب ابا اباں زندہ تھے اور اسے عام سے گھر میں خاص خوشیاں تھیں۔

سرنگی بادل گھر سے اتر آلود ہو گئے تھے اور ہلکی پھوار تیز بارش میں تبدیل ہوئی تو وہ اندر کمرے میں چل آئی۔ مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوئی تھی کہ آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی آپ کی کوئی

اس کا دل دھک سے رو گیا کہ ان کا انداز بڑا پر اسرار تھا۔

”خاموش، کوئی آواز نہ نکالنا منہ سے۔“ انہوں نے آہستگی سے کہتے ہوئے دروازہ لاک کر ڈالا اور تیزی سے تمام کھڑکیوں کے پردے گرا دیے اور وہ اندر اس کے لیے بہت جبرت آمیز و ناقابل یقین تیار مہوش نے کم صوم گھڑی خوفزدہ کی مہر کا کو سینے سے لگا کر اور اس طرح روئی کہ اس شدت سے وہ ابا اباں کے مرنے پر بھی نہ روئی تھیں۔

”آئی۔۔۔ آئی اکیا بات ہے؟ صابر بھائی ٹھیک تو ہیں؟“ ان کے اس طرح رونے سے اس کے ذہن میں سبکیا بات آپ کی تو متحوش ہو کر ہوئی۔

”کاش، اسے کچھ ہوتا لیکن ایسے لوگوں کی دیکھنا بہت دردناک ہوتی ہے۔ میری بات سنو۔ تم بھانگ جاؤ یہاں سے۔“ بیٹی بھی جلد ہو سکے یہاں سے چلی جاؤ۔

”کہاں جاؤں میں؟ آپ کیوں جا رہی ہیں میں یہاں سے چلی جاؤں؟ جاؤں تو جاؤں کہاں؟ آپ کے اور صابر بھائی کے علاوہ میرا ہے کون؟“

”صرف تمہارا اللہ ہے اور کوئی نہیں ہے تمہارا۔“ انہوں نے آسودہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”آئی آپ اتنی ٹھوکر اور سنگ دل کیوں ہیں؟ آپ کے سینے میں دل نہیں ہے؟ جہد بات نہیں ہیں؟ ایٹوں کی محبت و رفاقت کا احساس نہیں ہے؟“

”جہد بات، محبت، رفاقت اور احساس یہ سب زندہ لوگوں کا سرمایہ حیات ہوتے ہیں۔ مردہ لوگ ان احساسات سے عاری ہوتے ہیں۔ میں چلتی پھرتی

لال ہوں سوئیٹ سسٹر۔ میں اس روز مرگئی تھی جب صابر بھائی کی بیوی بن کر اس کی دامپتیز پر چڑھ گئی تھی۔“

”آپ مدر کو بھلا نہ پائیں آپ۔ اس لیے شاید صابر بھائی جیسے بہترین، از حد چاہنے والے، خیال رکھنے والے شوہر کو وہ مقام نہیں دیا جو ان کا حق بنتا تھا۔“ اس نے مہوش کے رنگ بدلنے پر سہرے کو دیکھ کر یہ خوف انداز میں کہا۔

”دش، ہاں میری حیات کا یہ بھی ایک کڑوا سچ۔ لیکن اس وقت میرے پاس وقت نہیں ہے جو میں انہیں حقیقت بتاؤں۔ اود، یہ تو صابری کی کار کا ہارن ہے۔“ باہر سے آئی مدھم سی آواز سے انہوں نے ایک کمرے میں صابر بھائی کا کمرہ بنایا۔ شیشے کے بار برقی ہارن کی کاری جلتی ہیڈ لائٹس صاف نظر آرہی تھیں۔

”دیکھو، میری بات غور سے سنو۔ ہر شے سنا سکتی ہے۔ کچھ لوگ اس معاشرے میں ہانک زدہ سمجھتے ہیں۔“ وہ کہتے ہیں۔ جو ہوتے ہیں وہ نظر میں آتے اور جو نظر آتے ہیں وہ ہوتے نہیں۔ ان کے گھبراہٹوں میں انتہائی تضاد ہوتا ہے جتنا دن کے جانے اور رات کی تاریکی میں۔ مجھے احساس ہے تم

کچھ سے شدید ترین بدظن و دلاں ہو۔ بلکہ شاید نفرت ہی کرتی ہو۔ مجھے اس کا کچھ نہیں ہے لیکن ایک التجا ہے کہ یہاں تم اپنے کان اور آنکھیں بھی رکھو۔ اپنے دگر و چکی ہوئی برائیاں ریت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ لیکن خدا را جو سمجھو کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ میں

کوشش کر رہی ہوں کہ تم یہاں سے کسی طرح سلامت اٹل جاؤ۔ صابر کو بالکل بھی نہ بتانا کہ میں یہاں آئی تھی۔“ انہوں نے انہوں نے عجیب انداز میں یہ سیدھا

کہا اور تیزی سے بھاگتے ہوئے کمرے سے نکل گئی تھیں۔ وہ ان کے عجیب و غریب رویے اور ابھی ہوئی گفتگو سے خود بھی الجھ گئی تھی۔ خصوصاً ان کے جملے ”سلامت“ پر وہ جو ان رویہ کی تھی اور ابھی وہ حیران و پریشان سوچ ہی رہی تھی کہ درد از دھوکوں کمر صابر بھائی

اور داخل ہوئے۔ ان کے انداز میں ہلکا بات و دلچسپی تھی۔

”مہوش کہاں ہے؟“ انہوں نے جاتہید اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے انتظار کیا۔

”آئی؟ وہ تو شام کو کہیں گئی ہیں۔“ نامعلوم آپ کی باتوں کا اثر تھا یا اس کے اندر کا احساس کہ اس نے اگلے اگلے جھوٹ بولا۔

”اود، یہاں نہیں آئی مہوش؟ میرا خیال تھا وہ یہاں آئی ہیں۔“

”آپ تو سب جانتے ہیں صابر بھائی۔“ ان کے چہرے پر مخصوص ملاکت و طمأنینت چھاتے دیکھ کر اس کے اندر بھی کسی گڑبڑ کا احساس جاگنے لگا۔



”آپ دیکھ رہے ہیں اپنے صاحب زادے کے مزاج۔“ اس میں یہاں آئے ایک ہفت ہو گیا ہے۔ اس نے سب کچھ کو صاف کرنے کا نام نہیں نکالا۔ اسے اتنی تو جھگڑا ہوئی کہ ماں کو نہ سہی، مگر باپ سے تو سب بھر کے لیے مل لیا۔“ فائزہ بیگم نے بالوں میں برش کرتے ہوئے بڑے خطرے لگے میں نیوز ہیپچ کا مطالعہ کرتے راجیل سے کہا۔ جو اب وہ انہیں ملامت بھرتی لگا ہوں سے دیکھ کر رہ گئے۔

”خاموش کیوں ہیں؟ کچھ فرما دیجئے۔ بیٹی کی بات پر خاموش ہیں۔ اگر یہی معاملہ میرے سینے میں سے کسی کے ساتھ ہوتا تو میری زندگی تو آپ اب بھر کر ہی رہنے لگتی۔ شہناز کے ذکر پر کس قدر غم سے بیٹھے ہیں۔“

”تمہارے سامنے دوسرے کو بولنے کا موقع مل سکتا ہے؟“ وہ چڑ کر گویا ہوئے۔

”ابا ابا۔ وقت اور مرد کے بدلنے میں کوئی کچھ نہیں لگتا۔ راجیل صاحب ابھی میری اس گفتگو اور کسی بڑی فدا ہو کر آپ مجھ سے رشتہ جوڑ بیٹھے تھے۔“ اود میں کر ان سے مخاطب ہوئی تھیں۔

”مجھے ڈر ہے کہ بڑے سے بڑے بچن میں جو کر اباں کی مدد کرو اور تمہاری اطاعت کے لیے عرض ہے شہناز مجھ سے ابھی دن چکا ہے جس دن ہم انکسینڈ سے آئے تھے۔“

”ہا۔۔۔ اور کی اس پر غور کرو۔ اسے آپ سے اس قدر محبت کہ سے ہوگی؟“ بالوں سے لڑائی ہو کر خود پر سے ہجوم چمکتے ہوئے انہوں نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”مما! آپ کیوں بھائی سے اس قدر نفرت رتی ہیں؟ وہ بہت سوتیلے ہیں۔“

”بھائی، بونہد، تمہارا سوچنا بھائی ہے اور سوتیلے کبھی سکتے نہیں بن سکتے۔ آپ ان کا کتنا بھی خیال رکھو وہ ایسا ہی رہے گا۔ کتے کی دم کی طرح۔“

”مما، پیارے، ہم بھائی کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔“ جو یہ وہ چھوٹی سوراہے میں کوکو کا تھا۔

رائیل صاحب نے بونہد کے انتقال کے بعد فائزہ بیگم سے دوسری شادی کی تھی۔ اس وقت شوکیل دو برس کا تھا۔ فائزہ بیگم نے عام روایتی سوتیلی ماں جیسا کہ یہ شوکیل کے ساتھ رکھا۔ ماس کے بار بار سمجھانے اور رائیل صاحب کے کہنے کے باوجود وہ خود بخود بدل نہ سکیں۔ ایک سال بعد جو یہ کی پیدا ہونے کے بعد تو ان کا رویہ بدتر ہوتا چلا گیا۔ اور پھر سویرا کی پیدائش کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ آئندہ ماں نہ بن سکیں گی تو اولاد نہ پانے پیدا ہونے کے دکھ میں وہ اس حد تک ظالم بن گئی تھیں کہ شوکیل کا وجود انہیں ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ مکمل دوا کی اور آٹا کی سرپرستی میں پردہ پوش پانے والا بچہ موقع ملنے ہی ان کے انتقام کی زندگی میں آجاتا۔ کبھی اس پر نرم گرم چائے اچانک ہی گر جاتی، کبھی نظر نہ آنے والا انیسٹرک دائرہ سے کمرٹ کھا کر بے ہوش ہوجاتا تو کبھی نظر نہ آنے والا وجود اسے میز میوں سے گرا کر ہوبہاں کر دیتا۔

وقت کے سمجھانے پر رائیل صاحب کا رویہ ہمارے سلسلے میں انگلی بند شفت ہو گئے اور فائزہ بیگم کی خواہش پر شوکیل دوا کی جان کے پاس ہی رہا۔ یہاں سے ہی اس کے کچے ذہن میں ماں کی زیادتیوں کے خلاف دل میں نفرت اور باپ کے خاموش دیکھنے والے رویے سے بغاوت شروع ہوئی جو پچیس سال گزرنے کے

باوجود بڑھتی ہی گئی کیونکہ باہر جا کر وہ بیوی کی باتوں میں آکر ماں اور بیٹے سے بیگانہ والا پرواہ نہ کر سکتے تھے۔ دونوں بہنوں کو اپنے بھائی سے از حد لگاؤ تھا حالانکہ اس نے کبھی بھی ان کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا تھا۔ ہمیشہ انہیں سختی سے نظر انداز کرتا آیا تھا۔

اب ہمارا ایک دور گزارنے کے بعد وہ اپنے دل میں واپس لوٹ آئے تھے۔

بڑھتی عمر، بڑھتی بیماری، بڑھتا ہو رہا انہیں غلطیوں کا احساس دلانا تھا۔ کبھی بیٹے کو ان کی محبت کی ضرورت تھی تو وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اب بھائی انہیں وقت کوٹارہا تھا جو انہوں نے اسے دیا تھا۔

اب وہ آواز تھا۔ اپنی خواہش سے اس نے پولیس اسٹیشن کی گئی۔ پولیس کی اعلیٰ خطہ انجمن میں وہ بااثر تھا۔ اسے ان کے بڑے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ رائیل صاحب اپنے رویے پر شرمندہ تھے جبکہ فائزہ بیگم حسب عادت بھی ان کی باتیں شوکیل کے خلاف کرتی رہتی تھیں۔

”بھائی! میں نے آپ کے لیے دیکھ لیا سینڈ وچ شامی کباب اور فروٹ چائٹ بنائی ہے۔ آپ کو پسند ہے یا۔“ ”جو یہ شام کو کمرے میں لڑائی کے ہمراہ داخل ہوئی کیونکہ اس کے آگے بیٹھے شوکیل سے خطاب ہوئی۔

”میت آؤٹ۔ کس سے پوچھ کر کمرے میں داخل ہوئی ہو؟“ کی بورڈ پر مستعدی سے چلتی ہوئی انہیں اسے بھر کو رک کر پھر دوڑنے لگی تھیں۔ لگاؤں انکریٹ کے تھیں۔ لہجے میں ایسی غراہٹ تھی اور ناپسندیدگی تھی کہ جو یہ ایک دم خوفزدہ ہوئی۔

”بھائی! وہ۔۔۔ میں۔۔۔ آپ کے لیے۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تم لوگوں کی عنایتوں کی۔“

”بھائی، بھائی، پیارے۔“

”نہیں ہے مجھے ضرورت تمہارے کسی ”پیارے“ کی۔ چلی جاؤ یہاں سے ورنہ اٹھا کر پھینک دوں گا

یہاں سے۔“ وہ ایک دم کھڑے ہو کر پیش سے پیچھا تو وہ سیم کر زلی لے کر باہر نکل گئی۔ باوجود کوشش کے بھی وہ آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی تھی۔

”مل گیا سکون ہے عرتی کو؟“ کتنی مرتبہ کہا ہے وہ کوئی بھائی والی نہیں ہے تمہارا دشمن ہے دشمن۔ کب کب کھٹکتا ہے وہ ہمیں اپنا۔“ فائزہ بیگم بیٹی کے آنسو دیکھ کر غصے سے چیخ کر گویا ہوئیں۔

”مما! یہ سب آپ کے غراب رویوں کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ ان کے لیے اچھی باتیں تو وہ آج ہمارے لیے ہرگز ہرگز برے نہیں ہوتے۔“ ”جو یہ ماں کے گھورنے کی پروا کیے بغیر کہہ رہاں سے پائی گئی۔

✽ ✽ ✽

غیب پر اسرار سی زندگی ہو گئی تھی۔ آبی کے اس دن کے روپے اور باتوں نے اسے کچھ دن تک تو اٹھائے رکھا۔ کبھی وہ فیصلہ کرتی کہ آبی صاحبہ بھائی سے خواہ مخواہ متفرق ہیں اور اس کے یہاں رہنے سے ناخوش اس لیے وہ عجیب مجبوری گھٹو کر کے اسے خوفزدہ کر گئی ہیں کہ وہ اس طرح ڈر کر یہاں سے چل جائے گی۔ لیکن پھر اس کے اندر کچھ جسس سا جاگ اٹھا اور اس نے غیر محسوس انداز میں آگے اس اور کان استعمال کرنا شروع کیے تو اسے یہ محسوس ہوا کہ نورن اس پر پہلے سے زیادہ توجہ دینے لگی ہے۔ ایک لمحہ بھی اسے کہا نہیں چھوڑتی تھی۔ آبی سے پندرہ دن ہو چکے تھے ملاقات ہوئے اور اس کا شدمت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان سے مل کر معلوم کرے کہ وہ اسے کیا تاٹا چا رہی تھیں۔ یہ معلوم آبی کیاں تھیں؟ آج کل وہ باہر جاتی ہوئی بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔

آج بے قرار ہو کر اس نے نورن سے از حد اسرار سے ان کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کچھ لمحے خاموشی مہری لگا ہوں سے اس کے چہرے کو کھوجتی رہی پھر معنی خیزی سے بولی۔

”کیا بات ہے جی! بڑی بہن کی یاد آ رہی ہے؟“

”میرے بچے رہتی ہیں۔“

”میرے بچے نہیں یاد کرنے یا پوچھنے پر۔“

”میرے بچے نہیں یاد کرنے یا پوچھنے پر۔“

”کوئی پابندی ہے یہاں؟“ ”ارے، آپ تو مجھے تو گھنٹی بی بی جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا آپ پر کوئی پابندی کیوں لگائے گا، بڑے۔“ ”تو سب بیگم صاحبہ کی طبیعت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ دراصل وہ آپ کے اس قدر حسن اور فوجیہ عمر سے خوفزدہ ہیں اور ہر وہ عورت خوفزدہ رہتی ہے جو دولت مند اور خوب صورت شوہر رکھتی ہو اور خود بد قسمتی سے پانچھ ہو تو اسے ہر لمحہ یہی خوف رہتا ہے کہ کہیں اس کا شوہر اسے چھوڑ کر کی اور کا نہ ہو جائے۔“ اور آپ سے۔“

”شٹ اپ۔۔۔ آبی بد مزاج و پزیرنے والے پن کا شکار ضرور ہیں مگر شکت ذہنیت اور خفیہ سوچوں کی مالک نہیں ہیں۔ صابر بھائی کی میں بڑے بھائی کی طرح عزت کرتی ہوں۔ وہ بھی مجھے بہن کی طرح مزید رکھتے ہیں۔ تم کھل جاؤ یہاں سے۔ جو مند میں آتا ہے بغیر سوچے سمجھے بولنا شروع کر دیتی ہو۔ اسے نورن کی باتوں پر از حد غصہ آ گیا تھا۔ یہ بات اس نے شدت سے محسوس کی تھی کہ وہ کوئی موقع اسے آبی سے بدظن کرنے کا نہیں چاہتے دیتی تھی اور آج تو اس نے گھٹیا پن کی انتہا کر دی تھی۔ جو ابا وہ اپنے غصے پر قابو نہ پا سکی اور اسے کمرے سے نکال کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

کچھ دیر بعد ہی صابر بھائی کی آواز سن کر اسے دروازہ کھولنا پڑا تھا۔

”کیا بات ہے بیٹا؟ نورن بتا رہی تھی کہ بہت ڈسٹرب ہو آپ۔“

”صابر بھائی! آبی کہاں ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”ارے۔۔۔ مہوش آپ کو پتا کر نہیں گئیں؟“ ان کے لہجے میں استغیاب تھا۔

”نہیں۔ کیاں گئی ہیں آبی؟“

”دونہیں مل سکا پورگی ہیں شاہجک کرنے۔ وہ اپنی تمام شاہجک سنگا پورہ یکا لندن و لیبرہ سے ہی کرتی ہیں۔“

”آپنی ملک سے باہر چلی گئیں۔۔۔۔۔ مجھ سے ملے
بغیر۔۔۔۔۔“

ان کے نرم لہجے میں کچھ ایسی قلیبت تھی کہ وہ خاموش
 بیٹھی رہی پھر اس کے جسم میں دو مرتبہ یہ جھنپ ہوئی
 تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ ٹیٹن نے اس کی آنکھوں کو کھولا
 تھا دوسرے اس کے لیے ہالوں کو غایت ہے درودی
 سے شالوں تک کاٹ ڈالا تھا۔ اسے مزاحمت کرتے
 دیکھ کر صابر ملک چیخ کر پاس آ کر کہہ رہے ہو گئے
 تھے اور وہ بے بسی کے احساس سے رو رہی تھی۔

انہوں نے اس کا سرو ہاتھ
کھینچ کر دیکھا۔

تو بڑی طرح غصہ کر مڑی۔
 ”شش گھبراؤ نہیں۔ میں تمہاری دوست
 ہوں۔“ اس کے سامنے پرچہ سادھی میں جلوں
 نہایت خوب صورت عورت کھڑی تھی۔

تلاش ہے۔ یہ گروہ بالکل جدا گانہ اور فوں پر وقت انعام
میں کام کرتا ہے اور اس کے سرگرم رکن بہت اعلیٰ و معتبر
ہستیاں ہیں۔ یہ لوگ لڑکیوں سے فکرت کرتے ہیں،
بجور، پریشان حال لڑکیوں کو آسان چاب و پرکشش
سیکری ٹی لٹچی میں اپنے جال میں پھانستے ہیں۔ ان کو
دولت و راحت کی چمک دکھا کر غریبہ پھینتے ہیں۔
ان میں کچھ ایسی بے وقوف لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو
راتوں رات دولت مند بن جانا چاہتی ہیں اور پیچھے
لڑکیاں ان کے ہاتھوں پھنس کر بے بس و بجزور ہو جاتی
ہیں اور ان کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ ہر کام ان کی
مشاک کے مطابق کرتی ہیں۔ ان سے تمام غلط کام اس
قدر منظم طریقے سے کروائے جاتے ہیں کہ ان کے جسم
پر نہیں روہیں بھی مرد وہ بے حس ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ
اڑنا بھی چاہیں تو نہیں اڑ سکتیں۔

”ان لوگوں کا طریقہ واردات بہت گھٹیا و نفرت
آہیز ہے۔ ایسے بے ضمیر، اخلاق باخت لوگوں کو سرعام
بچا کر دے کر عبرت کا نشان بنانا چاہیے تاکہ آئندہ
کوئی ایسا گھناؤنا جرم کرنے سے قبل ان لوگوں کا انعام
یاد رکھ کر آگے قدم نہ اٹھائے۔“ آفتاب خان کے
لیجے میں حقیقی غم و غصہ تھا۔

”اس گروہ کے چند اہم اراکین سے میں واقف
ہو چکا ہوں اور انشاء اللہ بہت جلد ان تک پہنچ جاؤں
گا۔“

”میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ کوشش
کرتے رہیے۔ کامیابی بہت جلد آپ کی محنت کا ثمر
دے گی۔ نہ صرف بہت سی معصوم زندہ بچوں کو ہم اس
ڈسٹ اور روانی کی دلدل میں گرنے سے بچا لیں گے
بلکہ ملک کو بھی ان ناموروں سے پاک کر ڈالیں
گے۔“

”شکریہ سزا آپ کی حوصلہ افزائی، دعائیں
میرے لیے حیات بخش سرمایہ ہیں۔ میں آخری
سانس تک لڑوں گا اور فتح حق کی ہوگی۔“
شموئیل کے مضبوط لیجے میں عزم و استقلال
رہا تھا۔

”آئی ایم پراؤڈ آف یو ایمر۔ اگر ہمارے ملک
کے تمام طبقوں کے لوگ اس عزم، ہمت اور وطن کی
محبت میں سرشار اپنے فرائض ایتھناداری و دیانت
واری سے کریں تو انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ
سیر پارز سے ملتی سیریمیں پور ہمارا ملک ہو گا۔“

”داد۔ داد۔ کچھ ٹھٹھٹ ہیں بھی؟ وہ شخص جو کبھی
ناک پر بھی نہ بیٹھنے دے، تم جیسے بندے کو کس طرح
گھٹنوں بٹھا لیتا ہے؟“ اس کے آفس سے نکلنے والی
عمیر نے لڑاکا مورتوں کی طرح ہاتھ اور دیکھ سے چپا کر
کہا۔

”بیسے جھلک دو رست کرو، میں دھیر پر بیٹھتا ہوں،
ان کی ناک پر نہیں۔“ شموئیل اس کے سامنے پڑی
پیشہ پر بیٹھنے ہوئے اطمینان سے بولا۔

”اگر ناک پر بھی بیٹھ جاؤ گے تو بھائے تکلیف کے
فخر محسوس کریں گے۔“ وہ جھل کر بولا تو شموئیل بے
مراحتہ مسکرا اٹھا تھا۔

”شام میں تیار رہنا، خاص کام سے چلنا ہے۔“

دوسرے دن اس نے اس مہربان عورت سونیا
ورانی سے شے کی بہت کوشش کی مگر اسے وہ کارڈ مل کر
ہی نہیں دیا جس میں اس کا ایڈریس و فون نمبر درج تھا۔
”نورن ائم نے یہاں سے کوئی کارڈ اٹھایا ہے؟“
”ہاں۔“

”کہاں ہے؟ مجھے دو۔“ مہیکار جیسے اس
سے مخاطب ہوئی۔

”کارڈ میرے پاس ہے۔“ اسی لیے اندر آتے
صابر ملک کے ہاتھ میں وہ کارڈ دیکھ کر حیرت و خوف
سے اچھل پڑی تھی۔ حالانکہ کارڈ اس نے بہت احتیاط
سے چھپایا تھا۔

”جو اونٹ پالتے ہیں وہ دروازے بھی بلند رکھتے
ہیں۔ تم نے کس طرح کھجلیا کہ تم تم سے غافل روکتے
ہیں؟“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ صابر بھائی؟“
”سنو لڑکی! عادت کے برخلاف ہم نے تم سے

”صا... صابر... بھائی... کی۔“

”بس، آج سے سب رعایتیں ختم، تم وہ کرو گی جو ہم چاہیں گے۔“

صابر ملک کی لہورنگ آنکھوں سے ابلتی درندگی اور چہرے سے ہویدا بربریت۔ وہ سراپا سنگی سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ اس کے اندر دھماکے ہو رہے تھے۔ لوگوں کا ایسا روپ اس نے کہاں دیکھا تھا۔ بہت آسان و سادہ زندگی گزارتی چلی آئی تھی۔ تن کے اجلے، من کے سیاہ، شیطان فطرت والے لوگ۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ سب وہ خواب دیکھ رہی ہے یا حقیقت۔

”شام کو میرے کچھ مہمان آرہے ہیں، ان سے کس طرح پیش آنا ہے۔ اس کی پریکٹس تمہیں ریٹا کروائے گی۔ بھیج رہا ہوں میں اسے ابھی۔ تم تیار رہو۔“

”میں بہت بے وقوف ہوں۔ اپنی بہن کو غلط اور آپ کو درست سمجھتی رہی۔ آپ نے کتنا سمجھایا تھا کہ میں کسی طرح بھی ہاسٹل نہ چھوڑوں۔ کہیں تنہا باہر نہ جاؤں۔ میرے یہاں آنے پر جو انہوں نے غصہ و ناراضگی کا اظہار کیا تھا کتنا درست کیا تھا۔ اس کی وجہ اب میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ کاش ابھی آپلی مجھے جان سے ماریتیں تو کس قدر اچھا ہوتا۔ لیکن میں اب بھی ایسا ہی کروں گی۔ اپنی جان دے دوں گی لیکن آپ کے اشاروں پر کھڑی نہیں ہوں گی۔“ اس نے نفرت سے صابر ملک اور مسکراتی نورن کو دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔

میں موت کی جانب بڑھ رہی ہے۔ اب اسے زندگی کی طرف تم ہی بھیج کر لاسکتی ہو۔“

صابر ملک نے استہزائیہ قہقہہ لگاتے ہوئے نئی اطلاع دی۔

”تم... تم! بہت کہنے، دھوکے باز اور جھوٹے ہو۔ کیوں قید کیا ہے آپلی کو تم نے؟ چھوڑ دو انہیں۔“

”اب اس کی زندگی اور رہائی تمہاری کارکردگی پر منحصر ہے۔ شام کو خفیہ پولیس کے دو آفیسرز آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک آفیسر شومیل راجیل ہے۔ بہت ذہین، قابل اور خطرناک شخص ہے اور ساتھ ہی نوز کریکٹر، حسین چہروں کا شیدائی اس کی کمزوری ہے اور اسی کمزوری سے ہمیں فائدہ اٹھانا ہے۔ وہ شخص کچھ عرصے سے ہماری راہ میں بہت رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے۔ اگر اسے ابھی سے کنٹرول نہیں کیا گیا تو آگے جا کر وہ ایسا اثر دھابن جائے گا جو بغیر چبائے ہمیں نگل جائے گا۔“

”مجھے آپ کی کسی بات کا یقین نہیں ہے۔ جھوٹے ہیں آپ۔“

”چیف موت۔ ملاؤں گا، تمہیں تمہاری چہیتی بہن سے بھی لیکن پہلے میرا کام کرنا پڑے گا۔“ انہوں نے شرافت کا لبادہ تار تار کر دیا تھا۔ ایک دم ہی بہت جھوٹے ہو گئے تھے۔ اس نے ہاں، ناں کا جواب نہیں دیا۔ ہچکچاہٹ سے روٹی رہی۔

”صاحب! اسد فاروقی کل سے کئی بار فون کر چکے ہیں۔ انہیں کیا جواب دوں؟ وہ بی بی سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔“ نورن کے انداز اور گفتگو دونوں سے ہی کچر پرن جھٹک رہا تھا۔

ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اس کی گہری نگاہیں اس کے میک اپ سے دیکھتے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

”جس طرح آپ چاہیں گے، اسی طرح سر!“

صابر ملک کی باجیس ہلکی پڑ رہی تھیں۔

”آپ اس قدر اصرار کر رہے ہیں تو، یہاں نہیں۔“

”میں سمجھتا ہوں سر، آپ کو ہمارا گفٹ ہوئی گھوڑیا کے کمرہ نمبر تھرٹین میں مل جائے گا۔ وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔“

صابر ملک اور وہ اس وقت ایک ہی گیدرنگ کے لگ رہے تھے۔

یوں خود وہ۔

زلالت و یکنی کی انتہا کو پہنچے ہوئے بد نما انسان۔

اس کے بعد وہ رکے نہیں تھے۔ چلے گئے تھے اور صابر ملک بہت خوش و خرم تھا۔ اس کی راہوں کا بڑا خطرہ نہ لگا تھا جس کو ختم کرنے کے لیے اسے کسی معصوم لڑکی کا سودا مہیا نہیں لگا تھا کہ اس کا کام یہی تھا۔ معصوم و شریف لڑکیوں کا سودا کرتا تھا وہ۔ مہوش آپی کو تہ خانے میں زنجیروں سے جکڑے، زخم زخم بدن سے رستا خون اگر وہ نہ دیکھ لیتی تو ہرگز صابر ملک کے اشاروں پر نہ ناچتی۔ اس کے ناپاک کام میں ساتھ دینے کے بجائے موت کو گھنے لگا پتلی۔ لیکن اب اسے اپنی بہن کو اس بھیڑیے کے چنگل سے بچانا تھا۔ اس کے لیے وہ اپنی قربانی دینے کو تیار تھی۔

رات میں اس کو رہنا نہ بہت اچھی طرح تیار کیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح قربانی کے جانور کو سجا کر تیار کیا جاتا ہے۔

جب وہ ہوئی گھوڑیا کے کمرے میں داخل ہوئی تو شوئیل کو اپنا منہ پھیر پالیا۔

کمرہ دل فریب خوشبوؤں سے مہک رہا تھا اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

صابر ملک نے ڈرائیور کے ہمراہ اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ آپی کی مخدوش حالت کی ایک جھلک نے

اس کی تمام مزاحمت سرور کو ڈالی تھی۔ کل صابر ملک کے ہمراہ اس ٹرین والے مسافر کو دیکھ کر وہ لمبے بھر میں پہچان گئی تھی۔ پھر اس کا وہ مکروہ اور غلیظ کردار دیکھ کر اس کا اعتبار دوسری مرتبہ ٹوٹا تھا۔ ٹرین میں اس کے شرافت و اعلیٰ کردار کی وہ خود متعرف بھی مگر اب ہر شریف و پاک کردار نظر آنے والے لوگوں سے اسے نفرت ہو گئی تھی۔

”آئیے، آپ کھڑی کیوں ہیں؟“ اس کی طرف پشت کیے بغیر نے جب اس کی طرف رخ بدل کر کہا تو وہ چونک اٹھی۔ وہ جسے شوئیل سمجھ رہی تھی وہ اس کا اسسٹنٹ عمیر صادق تھا۔

”آ۔۔۔۔۔ آپ؟ وہ۔۔۔۔۔“ وہ پرہی طرح بوکھلا گئی۔

اسے صابر ملک نے ایک پڑیادی بھی کی کہ وہ بہت خاموشی سے شوئیل کو کوئلہ ڈرنک میں ملا کر چلاوے۔ اسے یہ کام لازمی اور از حد احتیاط سے کرنا تھا۔ مگر یہاں عمیر کو دیکھ کر اس کا جھیرانا فطری تھا کہ اس کی اور مہوش کی آزادی کا پروانہ یہی کام تھا۔

”ارے! کیا بات ہے؟ آپ بہت پریشان لگ رہی ہیں؟“ عمیر کو اس لڑکی کی ایک بے ساختہ حرکت نے بری طرح چونکا ڈالا تھا۔ بلاشبہ وہ بھرپور حسن رفتی تھی جو اس وقت بہترین میک اپ، سرخ رنگ کے چمچھاتے سوٹ اور میچنگ جوبلی میں کچھ ایسی حسین لگ رہی تھی کہ اس کے چہرے سے لگاؤ چرانا دشوار ہی نہیں، ناممکن تھا۔ اس کے باوجود عمیر کی نظر بڑی تو اس نے محسوس کیا وہ لڑکی نہادوے پنے سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس کی اس حرکت نے عمیر کو چونکا دیا تھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں پریشان نہیں ہوں۔“ اس نے خود کو سنہیلنے کی بھرپور کوشش کی۔

”تو آئیے بیٹھے۔ کچھ باتیں کرتے ہیں۔ شوئیل کو بیڈ کوارٹر سے کال آ گئی تھی وہ کچھ دیر میں آ جائے گا۔“ عمیر کی نگاہیں بہت پار کی تھیں اس کی پریشان و بے چین حرکات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ اس سے خاصے غلط سے پرہیز کر رہی تھی لہذا ہر وہ بہت الزام اوزن

اور تجربہ کار لگ رہی تھی یا لگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عمیر اپنی تمام چہرے پڑھنے کا ماہر تھا۔ اسے لڑکی کی ایک ایک جنبش سے محسوس ہو رہا تھا کہ لڑکی وہ نہیں ہے جو وہ نظر آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کی جھجکی ہوئی نگاہیں جیسا کسی از حد مجبوری کا احساس دلا رہی تھیں۔ وہ پٹ پٹلکا اسے شریف و معصوم ظاہر کر رہا تھا۔ عمیر جو اس فیصلہ کا نہیں تھا۔ اسے مہکار سے ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

اس لمحے وہ کوئلہ ڈرنک لے کر اندر داخل ہوا اور آگے بڑھ کر مہکار نے نرالی سنہیل لی تھی۔ لیکن عمیر نے خود آگے بڑھ کر اس سے نرالی لے لی تھی۔

”آپ تو ہماری مہمان ہیں۔ میزبانی کا حق ہمارا ہے۔“ عمیر نے اسے حیران ہوتے دیکھ کر مسکرا کر کہا اور اس کی نگاہ سے بچا کر وہ بائٹ سفوف اس کے گھاس میں ملا کر گھاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ مہکار نے شکر یہ ادا کر کے گھاس پھڑلایا اور ابھی گھاس میں شربت نصف موجود تھا کہ اسے لگا ایک دم سی کمرے سمیت ہر چیز گھونسنے لگی ہو۔ اس نے خود کو سنہیلنے کی بہت کوشش کی مگر بے کار تھا۔ وہ لہرا کر نیچے آ گئی تھی۔

اس کی آنکھ کھلی تو خود کو ایک کمری پر سیوں سے جکڑے ہوئے دیکھ کر وہ حیرت و خوف سے زرد پڑ گئی تھی۔ دل کی رفتار از حد تیز ترین ہو گئی تھی۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہ سپاٹ دیواروں والا چھوٹا کمرہ تھا۔ سامنے دیوار میں لوہے کا دروازہ نصب تھا جو اس وقت بند تھا۔ اس چیمبر کے علاوہ وہاں دو چیمبرز اور بھی ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی شے کمرے میں نہیں تھی۔ چیمٹ میں نصب تیز دولت کا بلب وہاں پر اسرار سی مگر نگاہوں میں شدید چمکنے والی روشنی پھیلا رہا تھا۔

وہ نامعلوم کب سے بندھی بیٹھی ہوئی تھی۔ جسم کا ایک ایک عضو درد کر رہا تھا۔ اسی لمحے دروازہ کھلا اور اس سے اندر داخل ہونے والے شخص کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ وہ اس کے مقابل آ کر کھڑا ہوا تاں غلطی سے

”ہوش آگیا تمہیں؟“ اس کے سرخی ہائل رنگت، ذہانت و فخر سے دیکتی براؤن آنکھوں میں اور خوب و اور وجہ چہرے کے ہر نقش سے ایک خاص متغیر و غصہ آمیز مسکراہٹ نمایاں ہو رہی تھی۔ سیاہ بیٹھ اور نیلی شرٹ میں اس کا درازہ نمایاں تھا۔

”یہ۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ میں کہاں ہوں؟“

”یہ پولیس کا ایک ٹھکانہ ہے۔ یہ جگہ اس قدر سیکرٹ ہے کہ تمہارے سامنے کسی طرح بھی دریافت نہ کر پائیں گے اور تمہارے لیے یہ جاننا ضروری نہیں کہ تم کہاں ہو؟“ اس نے سر دیکھ کر کہا۔

”لیکن کیوں؟“ خوف و دہشت سے اس کی حالت قابل دید تھی۔

”اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔“

”لگ، لگ۔۔۔۔۔ کیسے کام؟ میں نے کچھ نہیں کیا۔“

”گڈ، وری گڈ۔ بہت کامیاب اداکاری کر لیتی ہو۔ لیکن اب تمہاری کوئی چال نہیں چلے گی۔ نہایت شرافت سے میرے سوالوں کے جواب دے دو۔ تمہاری خیریت درست، جزا بات دینے میں ہی ہے۔ مگر سوچ لیتا۔ میں پتھروں کو بھی بوتلے پر مجبور کر دیتا ہوں۔ اور نہ میں مجرم عورتوں کو معمولی سی چھمی رعایت دینا پسند کرتا ہوں۔ میں مجرموں کو انسان نہیں سمجھتا، اور مجرم بھی تو جیسے لوگ۔۔۔۔۔“ اس کے سخت و خنجر لہجے میں یکدم ہی نفرت و حقارت در آئی تھی۔ ”دل تو یہی چاہتا ہے کہ تم جیسے لوگوں کو دیکھتے ہی ایسی عبرت ناک موت ماروں کہ تا حیات تمہاری روحیں بلہالی پھریں۔“

اس کا لہجہ اس قدر خوف، زاک اور چہرے کے تاثرات اس قدر خطر ناک تھے کہ کانپ اٹھی۔ اس نے کرسی حسیٹ کر سامنے رکھی، بیٹھتے ہوئے غنوغار لہجے میں گویا ہوا۔

”صابر ملک کے ساتھ اس گھناؤنے کام میں اور حیران رہ گئی۔ وہ اس کے مقابل آ کر کھڑا ہوا تاں غلطی سے

لٹکا ہے کہاں کہاں پر ہیں؟

”مہم... میں نہیں جانتی، آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔“

”ہوں... ہر بڑا مجرم یہی کہتا ہے لیکن غلط کو صحیح ثابت کرنا میں جانتا ہوں۔ بتاؤ۔ جو میں معلوم کر رہا ہوں، اگر تم ہم سے تعاون کرو گی تو تم پر کوئی آج نہیں آئے گی، یہ میرا وعدہ ہے۔ ہم بہت طاقتور و اذیہ اختیاط سے آپریشن کریں گے۔ تمہیں ہماری ایجنسی سپورٹ کرے گی۔ ہم کورٹ میں بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔“

اس بار اس کا لہجہ قدرے نرم اور دھیمہ تھا ہا اگلے دم مجھ پرستی پھوار کی مانند۔

”آپ میرا یقین کریں، میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ میں ٹا ہور میں رہتی تھی، میرے والدین کی لڑکھ ہوئی تو صابر بھائی مجھے یہاں لے آئے۔“

”کیا رشتہ ہے صابر ملک سے تمہارا؟“ اس کے لہجے میں مسخراؤ تھا ہوں میں بے یقینی تھی۔

”وہ میری سسٹر کے بڑے بیٹے ہیں۔“

”اچھا۔ اب کیا کہتی ہو؟ اب بھی انجمن و تعلق ہو ہر طرف سے؟ صابر ملک جس گورنمنٹ ہینڈ کرتا ہے وہ لڑکی اتنی معصوم و انجمن ہو۔ دو اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ یا ایسا جوک ہے جسے سن کر کسی کے ہجائے رونے کو دل چاہے۔“

”آپ یقین کریں۔ میں جھوٹ نہیں بولی رہی، مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔“ مہکار اپنی بے بسی اور اس کی خند و ہست دھری دیکھ کر دہانسی ہو گئی۔

”اچھا۔ تم اتنی ہی پاک بابر و معصوم ہو تو میرے پاس ہوئی کے سوت میں تیار ج سنو کر کیوں آئی تھیں؟ کیا تم اس سے بے خبر تھیں کہ اس بیدروم میں خفیہ کمرے نصب کیے گئے تھے اور تمہارے پرس کی خفیہ جیب میں سے یہ بے ہوش کرنے والی سفوف کی پڑیا کیوں رہی تھی؟ تم اس سے بھی واقف ہو؟“ اس نے جیب سے وہ چھوٹا سا بلیک نکال کر اس کے

چہرے کے آگے لہرایا تو وہ بلیک پہچان کر اس کے سینے جھوٹ گئے اور وہ جو بہت گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کے تاثرات جانچ رہا تھا اس کی سرایتی مہم کو کھل بہت شوخیوں جیسے ڈپرک لگاؤ بندے سے کہا۔ طرح طرحی روئکتے تھے۔

”ہوں... بولو جواب دو۔ اب بھی تم کچھ نہیں جانتی؟“

”میں نے کہا تھا مجھے نہیں معلوم؟ میں کچھ نہیں جانتی۔“ مہکار پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ زندگی کے کس سوڑ پر آنکھری ہوئی تھی۔ اس کا احساس اسے اس شدت سے ہو رہا تھا۔ شوخیوں کچھ دیر تک اس سے صابر ملک اور اس کے گینگ کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا۔ اسے کچھ معلوم ہوتا تو وہ جواب دیتی۔ صابر نے بڑی جلسا بازی کی تھی اس کے ساتھ۔ اسے بلیک دیتے وقت یہ نہیں کہا تھا کہ اس کمرے میں تصویروں اور فلم کے لیے کمرے چھپائے گئے ہیں۔ وہ شاید ذہنی فلم کھیلنے کا ماہر کھلاڑی تھا۔ شوخیوں اسے بڑی پولیس کے حوالے کر کے چلا گیا تھا اور ساتھ انہیں حکم دے کر کہ اس کے سوالات کے جوابات انہیں ہر ممکن طریقے سے لینے ہیں۔

”یار امیرادل نہیں کہتا وہ لڑکی صابر ملک کی دست راست ہے۔ کتنی معصوم و سادہ ہے۔ اس لیلہ کی لڑکیوں میں مخصوص عا سنا انداز و خفا پین ہو چکا ہے۔ ان کی فطرت کی میٹنگی، کردار کی حفاظت کسی تعفن کی مانند ان کے وجود سے اٹھتی ہے۔“

”معصوم، سادہ، پاک و راز، ڈیز براور! تمہیں دنیا کی ہر عورت ہر لڑکی ماسوائے اپنی واقف کے، انہیں خصوصیات و صفات کی مالک نظر آتی ہیں۔“

”ہائی گاؤ۔ میرا یقین کرو پاں زبان جھوٹ بولتی ہے مگر چہرہ اور آنکھیں کتنی حقائق نہیں چھپاتے۔ یہ بھی جھوٹ ظاہر ہی نہیں کر سکتے۔“

”اوہ، یہ سب کیوں ہے۔ دھوکہ ہے۔ اظہار

”کیوں ہر وقت انکار ہے چاہتا رہتا ہے تو، کبھی تو اس کی خیم میں بیٹھ کر دیکھ۔“ نہیں کتنی محبت و ممانہ میرے لیے ڈھیں تیار کرتی ہیں۔ کمرہ صاف کرتی تیرے کے بغیر ہر چیز تیار کر کے رکھ دیتی ہیں۔ کچھ گھر میں نہیں آتا گیٹ کے کئی چکر لگا ڈالتی تہ بھائی کو بہت دیر ہوگی، اتنی محبت کرنے والی بہت کم خوش نصیبوں کو ملتی ہیں۔ کیوں اپنا دشمن بن بیٹھا ہے۔ بھلا بھائیوں کے بغیر بھی کوئی رہ سکتا

”مجھے صرف آپ کی محبت کے علاوہ کسی اور کی کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے جو یہ کہہ کر دیکھتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔ جو یہ جو یہ سو بہار ہی تھی دادی کے بازو سے لگ کر ٹھونکیل

”بھائی آپ کو ہماری محبت کی شاید ضرورت نہ ہو بس آپ کی اور آپ کی محبت کی اتنی ہی ضرورت تھی زندہ رہنے کے لیے سانسوں کی، مٹی اور آپ بریمان چھڑی انا کی جنگ سے ہم بیٹوں کو کوئی نہیں ہے۔ ہم بس آپ کو چاہتے ہیں اور چاہتے گے۔“ جو یہ اپنی بات کہہ کر ٹھونکیل

دن بعد بھی اسے ناکامی کی رپورٹ ملی تھی۔ وہ انیسویں بھی ہر تہید کے بعد مبارک سے کچھ نے میں ناکام رہی تھیں اور ٹھونکیل کے ضبط نے دے ڈالا تھا۔ وہ اعلیٰ حکام کو جلد سے جلد دے دینے کے لیے پریشر اڑا گیا جا رہا تھا اور اسے ملاقات گیریز کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح ونگن سے اس کیس کو کامیابی و کامرانی سے کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ کامیابی کا عزم کر چکا تھا۔ میں نے کہا تھا مجھے کچھ نہیں معلوم۔ خدا کے لیے دیں، میں صابر ملک کے متعلق جتنا جانتی ہوں، میں سوچتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں۔“

گزشتہ تین روز سے وہ نئے خذاب میں مبتلا کی تھی۔ ٹھونکیل کے حکم پر اسے ایک ہفتے کے لیے بھی سوئے نہ دیا گیا تھا۔ جسم کا جوڑ جوڑ تو سبیلے اس کا درد ہوتا تھا۔ اب چار راتیں، تین دن مسلسل جاگ کر اس کی آنکھیں سرخ انکارے لگ رہی تھیں اور عین آنکھوں کے سامنے روشن تیز پاد کے بلب کی روشنی نے اس کی آنکھوں میں برچھیاں سی چلا دی تھیں۔ وہ ایک اذیت ناک خذاب میں مبتلا تھی۔

”صابر ملک کے بارے میں ہمیں معلومات دے دیں۔ ہم آپ کو سونے ویں گے بی بی، بصورت دیگر یہ جو بندہ ہے ٹھونکیل خان! مجرموں کی وہ حالت کرتا ہے کہ۔“ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں لاعلم ہوں، بے قصور ہوں۔“ مبارک نے لہورنگ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے عمیر سے روتے ہوئے کہا۔

”صابر ملک کی دست راست، اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والی لڑکی معصوم، بے تصور اور انجان نہیں ہو سکتی۔ میں تم جیسی لڑکیوں کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ باہر سے جتنی معصوم و اعلیٰ نظر آتی ہو اندر سے اس قدر ہی مکار و غلامت کی سیاتی میں لپٹی ہوئی، گناہوں و جرائم کا بندل ہوتی ہو۔“ ٹھونکیل نے آگے بڑھ کر اس کے رخساروں پر چھڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا لیکن نہ جانے کیوں اس کا بے سکون چہرہ دیکھ کر کیوں رک گیا۔

”تم خود اپنے آپ پر قلم کر رہی ہو۔ آخر صابر ملک کو کیوں بچانا چاہتی ہو؟ کیا وہ اس وقت تمہاری مدد کو پہنچا ہے؟ اس جیسے وطن فروش سے وفاداری کیا معنی رکھتی ہے؟“

”میں کیا کروں؟ کس طرح یقین دلاؤں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“ ٹھونکیل کے چہرے پر بھائی ہوئی نفرت اور سفاکی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی لیکن وہ کہتا تھی۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ آخر یہ لوگ کچھ کیوں نہیں پہچانتے۔ کیسے چہرہ

اور شاید قدرت کو اس پر ترس آ گیا تو جو ٹھونکیل خان کی سر مزاجی و بے رحم سلوک کا مظاہرہ نہ ہوا تھا کہ اس کو اطلاع ملی کوئی خاتون اس سے صابر ملک کے بارے میں کوئی معلومات فراہم کرنا چاہتی ہے۔ وہ یہ سن کر فوراً ہی کمرے سے نکل گیا تھا۔ اور اس خاتون کے سر پر جا پہنچا تھا جو اس سے ملنے آئی تھی۔

”آپ کا تعارف کی بی بی؟ آپ کیا معلومات رکھتی ہیں صابر ملک کے بارے میں؟“ ٹھونکیل کرسی پر بیٹھتے ہوئے سامنے بیٹھی رہنمیدہ و ملول سی خاتون کو دیکھتے ہوئے سر دھچکے میں گویا ہوا۔ اس کی عقلی نگاہیں بہت گہرائی سے اس عورت کا جائزہ لے رہی تھی جس کی عمر پچیس تیس کے درمیان ہوئی۔ درمیانے قد و اسارت جسم کی مالک تھی وہ اور کبھی حسین بھی رہی ہوگی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر عجیب سے ذمہوں کے نشانات نے چہرہ خاصا بگاڑ دیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں اور زرد رنگت کے باعث وہ خاصی پیار و لاغر اور پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

”تعارف تو اچھے اور بڑے لوگوں کا ہوتا ہے صاحب۔ ہم جیسی عورتیں تو صابر ملک کی مہربانیوں سے اپنا وقار و مرتبہ کھو کر معاشرے کے لیے گالی بن کر رہ جاتی ہیں۔“

”کیا جانتی ہیں آپ صابر ملک کے بارے میں؟ اور آپ یہاں تک کیسے پہنچ گئیں؟“

”صابر ملک شیطان صفت انسان ہے۔ ہمارے یہاں گھر گھر پھیلے ہوئے ایک مسئلے کو اس نے اپنا کاروبار بنالیا اور بہت جلد اسے اس کا روبرو میں ترقی کر کے آسمان پر پہنچا دیا۔“

”بی بی آپ بات کو شارٹ کریں۔“ اس کی تمہید ٹھونکیل کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

”سواری سر! ہمارے ہاں ایسا لگتا ہے جیسے رشتوں کا قیڑ بڑ گیا ہے۔ ہر گھر میں آپ کو یہی مسئلہ نظر آئے گا کہ لڑکیوں کے لیے مناسب اور اچھے رشتوں کا فقدان ہے۔ لوگ برادری، خاندان و ا۔۔۔ آج کے

گھمنڈوں سے بھی آزاد ہو گئے ہیں اور اس مجبوری وقت سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ صابر ملک نے ہمیشہ ان گھرانوں کا انتخاب کیا جو چھوٹی مٹی رکھتے ہوں یا تنہا و لاوارث لڑکیوں سے اس نے شادیاں کیں اور بہت مکاری سے انہیں اپنے کاروبار میں استعمال کرنے لگا۔ اس کا پہلا شکار اس کی بیٹی بیوی مہوش تھی۔ وہ بے حد خوب صورت اور متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ بہت سادہ مزاج تھا اس کا۔ صابر ملک اسے لاہور سے شادی کر کے کراچی لے آیا اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی غیرت اور اس کے حسن کی قیمت وصول کرنا شروع کر دی۔ ہمارے ہاں عموماً بیٹی ہوتا ہے کہ ماں باپ بیٹی کے گھر جانا اچھا محسوس نہیں کرتے۔ بیٹی ہنسی مسکراتی، مہنگے لباس، زینت سے بھی سنوری گھر آتی ہے تو وہ اس کا ظاہر دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں کہ ان کی بیٹی خوش ہے، لاکھوں میں ٹھیکل رہی ہے۔ وہ مطمئن ہو کر اس کی طرف سے بالکل ہی بے فکر ہو جاتے ہیں۔ اسی فعل سے صابر ملک نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ مہوش کو سالوں میں اس کے والدین سے ملوانے لے جاتا اور بہت کم عرصے وہاں مہوش کے ساتھ قیام کرتا اور اس عرصے میں وہ بہت جان چھادو و پار کرنے والے شوہر کا کردار ادا کرتا، لمحہ بھر میں وہ مہوش کو تنہا ان کے ساتھ نہ چھوڑتا کہ مبادا وہ اس کا اصل بیان نہ کر دے۔ اس طرح وہ مہوش کے والدین کے لیے از حد پسندیدہ و قابل فخر داماد بن گیا تھا۔ پھر مہوش کے بعد بھی اس نے اسی طرح بے شمار لڑکیوں کو شکار کر کے جال میں پھنسا دیا اور اسی طرح اس کے جال میں، میں بھی پھنس گئی۔ میں سونا دہرائی ہوں۔ اس کی شاندار پرستاشی اور اعلیٰ اسٹیشن دیکھ کر میں نے اپنے بھائی بھائی کی بے حد مخالفت کے باوجود اس کی محبت میں اندھی ہو کر گورٹ میرج کر لی۔ اور اس کے کہنے میں آکر ماں باپ کی طرح پرورش کرنے والے بھائی بھائی کو چھوڑ دیا۔ ہمیشہ کے لیے اور۔۔۔ اس نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ ”اور بہت جلد مجھ پر اس کے اصلی چہرے کا انکشاف ہو گیا۔ صابر

تہا نہیں ہے۔ اس کا پورا گینگ ہے جو ہر وہ طریقہ
 بتاتا ہے جو اس کے شکار کو اس کی راہ پر لاسکے۔ اس راہ
 جہاں پر جسم تو شکار ہوتے ہی ہیں، روحیں بھی کثیف
 جاتی ہیں۔ صابر ملک کے لیے جس دل میں بھی
 بدعت تھی، پھر اس کے طریقہ کردار نے اتنی نفرت و
 بدعت بھردی کہ انتقام کے شعلے جسم میں خون بن
 دوڑنے لگے۔ مہوش سے بظاہر میرا سوتن کا رشتہ
 مگر رشتے بھی جذبول سے محسوس کیے جاتے ہیں۔
 صابر ملک نے ہمیں وہ عزت و رتہ نہیں دیا تو ہمارے
 روایتی حسن و جان کا رشتہ بھی نہ تھا بلکہ وہ مجھ سے
 انتقام کا جذبہ رکھتی تھی اور اس کا عزم تھا وہ صابر
 کے ہاتھوں مزید لڑکیوں کو تباہ نہیں ہونے دے گی
 صابر ملک جو گزرتے وقت کے ساتھ وطن کی
 قتی و عزت کا دشمن بن گیا تھا اس کے خطرناک
 کم سے حکومت کو باخبر رکھنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
 صابر ملک، ملک دشمن عناصر کے ساتھ مل کر
 بنی ملک کا دشمن بن چکا تھا۔ مہوش نے اور میں
 کی کر بہت ہوشیاری اور رازداری سے اس کے
 خفیہ فون کالز، ڈاکو میٹس، تصاویر کی فوٹو کا پیر بنا
 چھپانا شروع کر دیں، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ ہم
 موقع پر وہ تمام دستاویزات آپ کے حوالے
 کے صابر ملک کو گرفتار کروائے کہ صابر ملک لاہور
 مہوش کی چھوٹی بہن کو لے آیا اور یہاں پر مہوش کو
 ان ڈراپ کرنا پڑا۔ مہوش نے ہر ممکن کوشش کی
 کی طرح بھی اپنی بہن کو وہاں سے کسی محفوظ جگہ پر
 کر دیے۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد اپنی بہن کی
 واپس آنا تھا۔ اسے یقین تھا کہ صابر ملک اس کی
 کو کسی خاص مقصد کے لیے اس کی اجازت کے
 لے آیا ہے اور اس نے گمرانی کے لیے اپنی خاص
 ت کو اس کے پاس ملازمہ کے روپ میں چھوڑا
 جس کا کام اس کی اور مہوش کی تباہی ملاقات نہ
 دینا تھا۔ ایک رات مہوش نے موقع پا کر گھر
 کیلئے دروازے سے آ کر اپنی بہن کو اصل صورت
 بتائی اور اسے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ ابھی اس

کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے باہر صابر ملک
 کے قدموں کی مخصوص آواز سن لی اور وہ پکڑے جانے
 کے خوف سے اسی وقت وہاں سے چلی گئی مگر بہت دیر
 ہو چکی تھی۔ صابر ملک اس کی جھلک وہاں سے نکلتے
 ہوئے دیکھ چکا تھا اور اس نے نہایت غصائی سے اسے
 تہ خانے میں بند کر دیا اور پھر اس کے ذریعے بلک
 میل کر کے اس کی بہن کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا
 شروع کیا۔
 ”آپ کو میرا ریفرنس کس نے دیا؟ مہوش صابر
 اور وہ دستاویزات کہاں ہیں؟ صابر ملک کے ٹھکانے کا
 آپ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ آپ مطمئن ہو کر ہماری مدد
 کیجیے۔ ہم آپ کی اور مہوش صابر کی بھرپور مدد اور
 حفاظت کریں گے۔“ شموئیل نے اس کے خاموش
 ہوتے ہی بہت نرمی و رسانیت سے اسے سمجھایا۔
 ”مہوش؟ آہ۔“ بے اختیار اس کی آنکھوں سے
 آنسو بہنے لگے۔ ”وہ بد نصیب زندگی کی قید سے اسی
 دن آزاد ہوئی تھی جب اسے خبر ملی تھی کہ اس کی بہن کو
 ایک پولیس حراست میں لے چکی ہے۔ کینسر کے
 آخری ایجنڈ پر وہ تھی۔ اس خبر نے اسے اس ناپسندیدہ
 زندگی سے آزادی دلوا دی۔“
 ”کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟ وہ لڑکی مہار کو
 نہیں ہے؟“ مہوش نے پالی کا گلاس اسے دیتے ہوئے
 چونک کر استفسار کیا تھا۔
 ”جی۔ میں اس کی وجہ سے یہاں آئی ہوں۔ وہ
 لڑکی مظلوم و بے قصور ہے۔“ بطور خاص وہ مہار کو
 شموئیل صاحب کے لیے لایا تھا، اس انکشاف پر
 شموئیل چونک اٹھا تھا۔ عمیر اور توجہ سے اس کی گفتگو
 سننے لگا۔
 ”میرا یقین کیجیے۔ آپ نے ابھی سوال کیا تھا کہ
 آپ کے بارے میں ہمیں کس نے بتایا تو ہم کئی ماہ
 سے اس کیبے انسان کو آپ کی وجہ سے پریشان دیکھ
 رہے تھے۔ آپ کی وجہ سے اس نے اپنے خفیہ کلب و
 دیگر سرگرمیاں بند کر دی تھیں۔ اس کی کوشش تھی کسی
 طرح سے آپ کو ٹریپ کر کے وہ خطرے کی گھنٹی توڑ
 دے۔“

اے۔ آپ کی وطن سے محبت، ملازمت سے عشق،
 اعلیٰ اخلاق و بلند کردار کا ذکر سن کر ہی مہوش نے فیصلہ
 کیا تھا کہ وہ ڈاکو میٹس آپ کو بھی دے گی ورنہ بڑے
 بڑے آفیسر کو اس نے صابر ملک کے جوتوں کی خاک
 چاٹتے دیکھا تھا لیکن بے چاری آپ تک نہ پہنچ سکی
 اور شاید میں بھی نہ پہنچ پاتی کہ صابر ملک کی لگا ہوں
 ہیں، میں بھی مردہ ہوں۔ بے انتہا تشدد کے بعد وہ
 مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گیا تھا۔ لیکن شاید میری زندگی تھی
 اور مجھے مہوش کے مشن کو مکمل کرنا تھا اس لیے بچا گئی۔
 شموئیل صاحب! آپ مہار کو چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کو
 وہ تمام ڈاکو میٹس دے دوں گی اور صابر ملک کے
 اصل ٹھکانے تک لے جاؤں گی۔ میں نے پل پل اس
 کی گمرانی کی ہے۔“
 ”اوکے، پہلے آپ کو ہماری کاغذی کارروائی
 پوری کرنی ہوگی۔ پھر ہم انہیں آزاد کر دیں گے۔ میں
 آج ہی صابر ملک کو گرفتار کروں گا۔“ شموئیل نے
 کھڑے ہوتے ہوئے پر عزم سے بچہ میں کہا۔
 جسم پر لگے زخم مرہم سے مندمل ہو جاتے ہیں مگر
 روح پر لگے زخموں کو وقت بھرتا ہے۔ لیکن ان کی
 تکلیف واذیت انسان کسی نہ کسی موقع پر محسوس کرتا ہی
 رہتا ہے۔ یہی سمجھا اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ ماں باپ
 کے بعد اس کا واحد سہارا، جس کی امنگ، اس کی بہن
 تھی اور اس کی خاطر وہ صابر ملک کے ہاتھوں کٹے پٹے
 بننے کو تیار ہوئی تھی۔ مہوش کے دنیا چھوڑ دینے کی خبر
 اس پر پڑی بن کر گری تھی اور اس نے زیادہ تکلیف وہ
 بات اس کے لیے یہ بھی کہ وہ اس کا آخری دیدار بھی نہ
 کر پائی تھی۔ سونا کو اس کی حفاظت کے لیے بھی مہوش
 نے چھوڑا تھا لیکن وہ بہن کی سرد مہری، بگاڑی، تند
 مزاجی و کڑختی کی وجہ بہت دیر میں جان پائی اور اس
 وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ صابر ملک اپنا کام کر چکا
 تھا۔ وہ جاتے جاتے بھی نہ صرف اسے بلکہ ملک و عوام
 کو بھی بڑے خطرہ میں سے آزاد کروا گئی تھیں۔
 صابر ملک کا تعلق ان گھنیا لوگوں میں آئے تھا

جو دولت کی خاطر اپنی انا، خودداری، ضمیر اور غیرت تک
 کا سودا تو کر ڈالتے ہی ہیں مگر جب ہوس زر بڑھ
 جائے تو ملک و ملت کی سلامتی کا بھی سودا کر ڈالتے
 ہیں۔ صابر ملک بھی اب ملک دشمنوں سے مل گیا تھا۔
 شاندار پارٹیز کے بہانے وہ بڑے بڑے افسران اور
 دیگر اعلیٰ سطح کے نام نہاد لوگوں کو بلاتا تھا جن میں کچھ
 عیاش و بے ضمیر لوگ اس کے جال میں پھنس کر بعد
 میں اپنی عزت و نام بچانے کے لیے خاموشی سے اس
 کے لیے ہر وہ کام کرتے جو وہ چاہتا اور جو اس طرح
 اس کے قابو میں نہ آتے انہیں اپنی راہ پر چلانے کے
 لیے اس کے پاس بہت سے طریقے تھے۔
 مہار کو شموئیل کے پاس بھیجے گا اس کا مقصد یہی تھا
 کہ وہ نشہ آور یا ڈر کولڈ ڈرنک میں پینے کے بعد
 شموئیل ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جاتا اور وہ اس
 موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہاں خفیہ کیمرے
 پہلے ہی نصب کر دیتا تھا۔ وہ اسی طرح بلک میل کیا
 کرتا تھا۔ لیکن شموئیل پر اسے پورا بھروسہ نہیں تھا اس
 لیے اس نے اپنے خاص آدمیوں کو گمرانی کے لیے چھوڑ
 رکھا تھا اور اسے وقت سے پہلے ہی گڑبڑ کی اطلاع مل
 گئی تھی۔ وہ فوراً ہی اپنے بے حد خفیہ ٹھکانے پر روپوش
 ہو گیا تھا اور یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کے اس ٹھکانے
 سے سونیا واقف تھی۔ سونیا نے پہلے وہ تمام ثبوت اسے
 فراہم کیے جو بڑی محنت کے بعد مہوش نے اور اس نے
 حاصل کیے تھے پھر پولیس نے اس کی رہنمائی میں
 بھرپور اس ٹھکانے پر ریڈ کیا۔ پہلے تو وہاں جانب
 سے فائرنگ کا زبردست تبادلہ ہوا پھر صابر ملک نے
 سرینڈر کر دیا تھا۔
 سونا اس فائرنگ میں ہلاک ہو گئی تھی اور صابر
 ملک کے کئی ساتھی بھی۔ شموئیل نے اعلیٰ حکام سے
 درخواست کی تھی کہ ابھی کچھ عرصے تک صابر ملک کی
 گرفتاری کو راز رکھا جائے تاکہ دوسرے مجرموں کو بھی
 اس کے ذریعے اسی طرح رازداری سے پکڑ کر سزا دی
 جائے اور اعلیٰ حکام نے اس کی درخواست منظور کر لی
 تھی۔

مہکار کو میرا اپنے گھر لے آیا تھا۔ اسے پہلی ہی نظر وہ بہت پاکیزہ و معصوم لگی تھی۔ پھر یہ جاننے کے کہ وہ تنہا وہ سہارا ہے اس نے بہت پر خلوص ہو کر اسے بہن بنا کر سہارا دینے کی کوشش کی تھی جو مہکار نے اسے ٹھکرادی تھی۔ وہ اب کسی رشتے پر اکتفا کرنے نہیں تھی اور میرا اسے کسی فلاحی ادارے میں بھیج دینا تھا۔

اس نے اپنی بیوی اسماء کو اس کی تمام اسٹوری بتائی جو بہت پر خلوص و مہربان طبیعت کی مالک تھی۔ فوراً سے گھر لانے کو تیار ہو گئی۔ ویسے بھی ان دنوں کسی ایسے فرد کی ضرورت تھی جو گھر کے کام میں اس تھکے بنائے۔ بہت کوششوں کے بعد وہ مہکار کو اس پر گھر میں لانے میں کامیاب ہو گئی کہ وہ بطور سہارا کام کرے گی اور کسی سے اس کا کوئی واسطہ ہوگا۔

”مہکار! بیٹھو نا! کہاں جا رہی ہو؟“ وہ اپنا کام کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی اسماء نے اس کے پیچھے پر ہاتھ رکھ کر اپنا نیت سے کہا۔

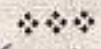
”کمرے میں جا رہی ہوں، میرا صاحب کے کاناٹم ہو رہا ہے۔“

”اوہ۔ تم کب نہیں اپنا سمجھو گی مہکار۔ میرے تمہیں کی طرح سمجھتے ہیں۔ میں تمہیں اتنا جانتی ہوں کہ تمہیں ہماری چاہت و خلوص میں کوئی غرض یا ناواٹ نظر آتی ہے؟ حق بتاؤ دیکھو میرا مہکار اب ہوتے ہیں وہ بہت جلد اپنی فطرت ظاہر دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسے لوگ نہیں ہیں تو ہمیں کون ملتا ہے تمہارے ساتھ برائی کرنے سے؟ دنیا میں سب لوگ صابر ملک جیسے رشتوں کو پامال دالے ہو جائیں تو یقین رکھو، یہ دنیا کب کی کبھی تمہاری نذر ہو جاتی۔ یہاں ایسے بڑے سب لوگ جن کی شناخت وقت کے ساتھ ساتھ ہو جاتی ہے تم بے اعتباری و بد اعتمادی کی دھند سے نکل کر کھانا ہم تم سے دعا کریں گے تو سمجھو اپنے رب سے دعا کرنے کے مترادف ہوگا۔“

”یہ بات نہیں ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ سانپ کا ڈسار سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ میں نے بہت بڑا فریب کھایا ہے۔ جس شخص کو میں فرشتہ اور قابل رحم شہر سمجھتی رہی اس کا اصل ہیکر وہ شیطان صفت نکلا۔ اور میری بہن جس کے لیے میرے دل میں وہ دلولہ خیر محبت بھی محسوس نہیں ہوئی جس کی طرف سے میں ہمیشہ متحر و بدظن رہی۔ وہ کیا نکلیں۔ ایسی محبت، ایسا خیال تو شاید ہی کسی بہن نے بہن کا کیا ہوگا۔“

مہکار شدت و کھ سے بری طرح رو پڑی۔ اسماء نے تڑپ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

”بھئی رووے ایسی اندوہناک مصلحتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں کہ جب ہم پر آشکارا ہوتے ہیں تو ہمہ تن پھٹتے اور دکھی ہونے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن اب اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم ان پچھتاؤں کو اپنی بقیہ زندگی کا حصہ بنالیں۔ اس طرح تم اپنی بہن کی روح کو بھی تکلیف پہنچاؤ گی اور اللہ کی بھی ناپسندیدہ ٹھہرو گی۔ اب تمہو میں تمہاری مہوش آتی ہوں اور ان کے بدلے کی ساری محنتیں تم مجھ پر لٹاؤ۔ مجھے تم بڑی بہن کی طرح ہی یاد آتی۔ دیکھو مہوش کے واسطے تمہیں خود کو بدلنا ہوگا اور ایک اچھی خال کی طرح اپنے آنے والے ننھے بھائی یا بھانجی کے لیے تیاری بھی کروانی ہوگی۔“ اسماء نے کچھ شرمناک اشارہ کیا تو وہ برستے آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی۔



”بابا جان! آپ نے جو یہ یہ کی انجمن کر دی اور مجھے بتانا تک گوارا نہیں کیا۔ کیا میں اس کا بڑا بھائی نہیں ہوں؟ اس پر حق نہیں رکھتا؟“

گھر میں آتے ہی دادی جان سے یہ خبر سن کر وہ سیدھا صحن کے بیڈروم میں چلا آیا تھا۔

”اوہ! بڑا بھائی، حق؟ تم نے بھی انہیں سمجھا ہے؟“

”نہیں جو آج حق جتانے چلے آئے؟ وہ میری بیٹیاں ہیں، میری۔ میں حق رکھتی ہوں ان کے بارے میں سوچنے کے۔“

”آپ کی اہلی، میں“ اور ”میری“ نے ہمارے درمیان فاصلوں کو بھی ختم ہونے نہیں دیا لیکن اب میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ جب تک لڑکے اور اس کے خاندان کے بارے میں مکمل معلومات نہ کر لوں، بات آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ”شوٹیل نے اہل لہجہ میں کہا۔

”ارے واہ، مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ تم نے انجمن کو کوئی کھیل سمجھا ہے؟“

”خاموش رہو۔ بیٹے ابھی صرف رشتہ آیا ہے۔ تم بہت بڑی تھے اس لیے میں انتظار کر رہا تھا کہ تم فارغ ہو تو بات کروں۔ تم جو یہ سوچا کہ بھائی ہو اور پورا حق رکھتے ہو ان پر۔ لڑکے سے کل میں ملو ادیتا ہوں تمہیں، پھر باقی کام تمہارا ہے۔“

رائیل صاحب جو بیٹے کو اس روپ میں دیکھنے کے انتظار میں کب سے تھے آج دلی مراد پوری ہوتے دیکھ کر مسرت سے لہریز لہجہ میں گویا ہوئے۔

”میرے گئے بھائی کا جینا ہے۔ کوئی آوارہ بدعاش ٹھوڑی ہے۔“

”نی الحال لڑکی کا بھائی جب تک مطمئن نہیں ہوگا، کوئی فیصلہ بھی نہیں ہوگا۔“

بیٹے کی محبت پا کر رائیل صاحب پھولے نہ سہا رہے تھے۔



کال بیل کی آواز پر اس نے محبت کھولا اور سامنے کھڑے ہوئے شخص کو دیکھ کر لمحے بھر کو وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔ اسے اپنے مار چر کے جانے والے لمحات یاد آ گئے۔ اس کے چہرے پر پتھر بیسی سختی نمودار ہو گئی۔

”وہ عمیر، مسز عمیر ہیں؟“ اسے دیکھ کر وہ بھی چونک گیا تھا۔ وہ بھولی ہی گیا تھا کہ وہ یہاں ہے۔ اس نے شدید مخالفت کی تھی اسے دارالامان کے بجائے گھر لانے کی۔ جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا اندر جا کر اسماء کو اطلاع کر دی تھی اور خود کچن میں آ گئی تھی۔ وہ میاں بیوی بہت مہمان نواز لوگ تھے۔ انہا نے لوگوں کی بھی خوب خاطر مدارات کیا کرتے تھے۔ پھر

اس شخص کے تو ذکر یہاں ہر روز بڑے چاؤ سے کیے جاتے تھے۔ سو اسی حساب سے وہ جتنا اہتمام کرے ناکافی ہی تھا۔

”ارے واہ! اتنی جلدی اتنا اہتمام کر لیا۔ اور چیزیں بھی تمام شوٹیل کے پسند کی ہیں۔ تم ٹرائی لے کر چلو میں چائے تیار کر کے لے آتی ہوں۔“ اسماء لوازمات سے بھری ٹرائی اس کی جانب کھٹکا کر بولیں۔

”نہیں بابی! آپ یہ ٹرائی لے کر جائیں میں چائے فلاسک میں بھر کر لارہی ہوں۔ اور پلیز آپ مجھے وہاں رکھنے کا نہیں کہئے گا۔“ اس نے چائے کے برتن ٹرائی میں سیٹ کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”کیوں؟ یہ کیا بات ہوئی؟ عمیر بھی آگئے ہیں۔“

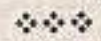
”پلیز بابی! بھائی جان کو کہہ دیجئے گا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔“ اس کے لہجے میں کچھ ایسا اصرار تھا کہ وہ خاموش ہو گئیں اور چائے کے تیار ہونے تک چند منٹ وہاں رک گئیں تھیں۔

”شوٹیل کی بہن کی انجمن ہے سنڈے کو۔ اس کا انویٹیشن کارڈ دینے آیا ہے۔ دراصل وہ بچپن سے ہی اپنی دادی کے ساتھ رہا ہے۔ اس کی مدد کی ڈتھ اس وقت ہوئی جب وہ ایک سال کا بھی نہ تھا تب اسے اس کی دادی نے ہی پرورش کیا ہے۔ اس کے فادر نے دوسری شادی کر لی تھی لیکن دوسری ماں کب شوہر کی پہلی اولاد کو اپنا سمجھتی ہے۔ بلکہ وہ بڑے بڑے بھانے رائیل انگل کو اس ملک سے ہی باہر لے گئیں اور کبھی کبھی یہاں آتی تھیں ان کے ساتھ پھر وہ بیٹیاں ہونے کے بعد تو ان کا دماغ اور زیادہ ہی خراب ہو گیا ہے۔ شوٹیل محبتوں کو ترسا ہوا انسان ہے۔ مجھے تو بہت ترس آتا ہے اس پر۔ کس طرح اتنی چھوٹی عمر میں ماں کی محبت و شفقت سے تو محروم ہوا تھا پھر باپ سے بھی دور کر دیا گیا۔ اگر ان کی دادی اتنی اچھی چاہنے والی، خیال رکھنے والی نہ ہوتی تو آج وہ اچھے انسان نہ ہوتے۔“

”چائے تیار ہو چکی ہے، جلدی جائیں۔ سب ٹھنڈا ہو جائے گا۔“ وہ فلاسک زرائی میں رکھ کر ان سے مخاطب ہوئی۔ اسے شوٹیل کی تعریف ایک آنکھ نہ بھاری تھی۔ اس کے اندر لاوا سا کھولنے لگا تھا۔ اسامہ کے جانے کے بعد اس نے ہنسی کی صفائی کی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کے اندر بے چینی و اضطراب سا پھینکا جا رہا تھا۔ چند منٹ وہ کارنر پر مچی چیزوں کو دوبارہ ترتیب دینے لگی۔ اس سے بھی بے چینی دور نہ ہوئی۔ ”شوٹیل خان! تم محبتوں کو نہیں انسانیت و اخلاقیات کے ترسے ہوئے انسان ہو۔“

اس نے نفرت سے سوچا اس کی نگاہوں میں وہ مناظر گھومنے لگے جب وہ اس سے صابر ملک کے خلاف معلومات حاصل کرنا چاہ رہا تھا اور وہ چی چی کر رہا تھا، گڑ گڑا کر کہہ رہی تھی کہ وہ کچھ نہیں جانتی لیکن اسے یقین نہ آیا تھا۔ کتنا بے رحم و سناک تھا وہ، پتھر سے بنا جیتا جاگتا سانس لینا انسان۔ اس کے دیکتے بازو کی گرفت اسے ابھی بھی اپنے شانوں کو تھکڑے ہوئے محسوس ہو رہی تھی۔ ”شوٹیل خان میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔“



جگ دونوں میاں بیوی کے بے حد اصرار کے باوجود وہ انجمن میں نہیں گئی تھی۔

اسامہ نے واپسی کے بعد وہاں کی ایک ایک بات سے بتائی تھی۔ وہ بہت متاثر تھی ان لوگوں سے۔

”عمیر نے بہت شاندار ارتھ منٹ کی تھی۔ مجھے بھائی سے بڑھ کر حق نباہ رہا ہے۔ جو یہ دہن بن کر بہت اچھی لگ رہی تھی۔ دولہا نے دہن کو رنگ پہنائی تھی لیکن دہن نے شرم کے مارے رنگ نہ پہنائی۔ شوٹیل نے دولہا کو رنگ پہنائی تھی۔ اس دن اس کی مٹی بھی سوتیلے بیٹے سے بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اور کیوں نہ آتی۔ بھئی جس کو کسی انہوں نے اپنا نہیں سمجھا اس نے اپنوں سے بڑھ کر خود کو منوایا۔ اور شوٹیل کی دادی وہاں آئی ہوئی ایک ایک لڑکی کو بہانوں سے

شوٹیل کو دکھا رہی تھیں کہ وہ شاید کسی کو پسند کرے تو وہ بھی اپنی دیرینہ آرزو اس کی شادی کی پوری کریں مگر شوٹیل کہاں فیشن کے نام پر کارٹون بن کر آنے والی لڑکیوں کو پسند کر سکتا تھا۔ اس نے ایک آنکھ کسی کو دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ وہ ایسا ہی سے شریف دیا کر دار۔“

”باجی اگر آپ کا ”شوٹیل نامہ“ مکمل ہو گیا ہو تو شاہنگ کو چلیں؟“ مہکار کی قوت برداشت جواب دے گی تو اسے نوکسائی پڑا۔ ایک ہفتے سے یہ بتا کر اسے پوری طرح اذہر ہو چکے تھے مگر اسامہ کی طبیعت ابھی تک سیر ہی نہ ہو پارہی تھی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہی تو چند دن ہیں میرے پاس باہر لٹنے کو پھر تو ڈاکٹر نے پابندی لگا دی ہے اس لیے میں چاہتی ہوں گھر میں دو تین ماہ کا سامان اسٹاک ہو جائے۔ عمیر کو گھریلو شاہنگ کرنی نہیں آتی اور تم تو گھر سے تباہ لکھنا جانتی ہی نہیں ہو۔“

بڑی سی چادر سے خود کو ڈھانپتے ہوئے انہوں نے حسب عادت طویل جواب دیا تھا۔

خریداری کرتے ہوئے انہیں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوا۔ وہ جب شاہنگ سینٹر سے باہر آئیں تو پھر کی روشنی شام کے سرمئی غبار میں ڈھل چکی تھی۔

”بہت تھک گئے، آؤ یہاں قریب ہی ریسٹورنٹ ہے، وہاں کے سینڈویچ اور چائے بہت لذیذ ہوتی ہے۔ وہاں کچھ کھا لیں گے تو توانائی لوٹ آئے گی۔ چائے سے محسن دور ہو جائے گی۔“

”نہیں باجی! اتنے شاہنگ بیگز کے ہمراہ کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں جانا اچھا نہیں لگتا۔ اب سیدھے گھر چلیں گے، وہاں جا کر چائے وغیرہ پیئیں گے۔“ مہکار کی اسٹینڈ کی جانب بڑھتی ہوئی بولی بات معقول تھی۔ اسامہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ جیسی اسٹینڈ پر اس وقت کوئی جیسی نہیں تھی۔ رکشہ کی تلاش میں انہوں نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ ڈاکر بلوچ چھائی کارڈان کے قریب آ کر رک گئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر شوٹیل کو دیکھ کر اسامہ خوش ہو گئی۔ لیکن مہکار کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات اس کی جہانم دیدہ

نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہ سکے تھے۔

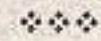
”آئیے، میں ڈراپ کروں گا آپ کو۔“ اس نے باہر نکل کر ان کے ہاتھ سے بیگز و شاہنگ لیتے ہوئے کہا۔

”اب اتنی دیر سے یہاں غوار ہو رہے ہیں۔ شام کے وقت رکشہ کیسی مشکل سے ملتے ہیں، چلو آ جاؤ، شوٹیل کوئی غیر نہیں ہے، بھائیوں کی طرح عزیز ہے مجھے۔ ہم آرام سے گھر پہنچ جائیں گے۔“ اسامہ اس کے ہاتھ سے سامان لے کر شوٹیل کو دیتی ہوئی اسے سمجھانے لگی۔

ڈکی میں سامان رکھتے ہوئے ڈاکر گلاسز کے پیچھے سے شوٹیل نے پہلی بار اسے نور سے دیکھا۔ شام کی سرمئی دھند میں اسٹریٹ لائٹس کی سنہری روشنی میں دکھائی اس کا نوخیز حسن، سیاہ عینٹ کے سوٹ میں اس کی گلاب رنگت، گلاب کی طرح ہی مٹھی مٹھی لگ رہی تھی۔ اتنا سادہ بھرپور حسن، اس نے حیرانگی سے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ دل میں لگے تمام نکل یکدم ہی ٹوٹ گئے تھے۔ دل و جذبات کی دنیا اس طرح بدلی تھی کہ وہ حیران رہ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر بیک مرر کو اس کے چہرے پر فوکس اس نے بے اختیار کیا تھا۔

”آپ یہاں کیا کر رہے تھے شوٹیل؟“ اسامہ نے سیٹ سے ٹپک لگاتے ہوئے استفسار کیا۔

”جویریہ کے سسرال والے جلد شادی کرنا چاہ رہے ہیں اسی سلسلے میں جیولری شاپ گیا تھا۔“ اس نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔ مہکار نے ایک دفعہ بھی سر نہیں اٹھایا تھا۔ اسے سخت غصہ تھا اس شخص کی کار میں سفر کرنے کا۔ اس بات سے وہ بے خبر تھی کہ وہ تمام راستے اس سر پہچھے شخص کی نگاہوں کے حصار میں رہی تھی۔ ایک منٹ کے بعد وہ انہیں لے گیا تھا۔ اسامہ کی خاطر وہ چلی گئی تھی۔ لیکن اس نے وہاں کسی چیز کو ان کے اصرار کے باوجود ہاتھ نہ لگایا تھا۔ اسامہ کے علاوہ شوٹیل نے بھی اس کے رویے کو شدت سے محسوس کیا۔



بھائی کہاں چلے گئے تھے آپ؟“ لچ پر کتنا انتظار کیا ہے آپ کا۔“ اسے دیکھتے ہی سویرا اور جویریہ آگے بڑھ کر اس سے بولی تھیں۔

”لچ میں نے باہر کر لیا تھا۔ جویریہ کے لیے کچھ شاہنگ کرنی تھی۔“ اس نے قرب بھیجی جویریہ کی طرف دیکھتے ہوئے دھڑکے سے مسکرا کر ہاتھ میں پکڑی بک اس کی طرف رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ جیولری بک ہے اس میں جوڈیز ان پسند آئے اس پر نشان لگا دینا۔ پھر آرڈر پر ہمیں وہ جیولری مل جائے گی۔“

”بھائی! جو آپ پسند کریں وہی بہتر ہے۔ میں کیا بتاؤں۔“ جویریہ شرمناک بولی۔

”میں؟ بابا بابا۔۔۔ یہ میری سینی گری نہیں ہے۔ ممی اور دادی کی مدد لے لو۔“ وہ بے ساختہ ہنستا ہوا بہت خوش اچھا لگا تھا دونوں بہنوں کو۔

”دونوں کیوں دماغ خراب کرنے بیٹھ گئی ہو بھائی کا۔ چلو ٹیکس پڑھ کر کے لیے برتن لگاؤ۔ میں نے کھانا تیار کر لیا ہے۔“ فائزہ بیگم وہاں آ کر بیٹیوں سے مخاطب ہوئی تھیں۔ جب سے شوٹیل نے بہنوں اور باپ سے اپنا رویہ درست کیا تھا گھر کا ماحول بہت پرسکون و خوب صورت ہو گیا تھا۔ فائزہ بیگم شروع شروع میں اپنے رویے پر قائم رہی تھیں لیکن جویریہ کے منٹنی کے سلسلے میں جو محبت اور ذمے داری کا احساس اس نے دیا تھا، اس احساس نے ان کے اندر کی زہریلی عورت کا زہر رفتہ رفتہ ختم کر دیا تھا۔ ان کا رویہ بھی ساس اور بیٹے سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی سابقہ حرکتوں پر شرمسار تھیں۔ شوٹیل سے بظاہر وہ ابھی بھی لائق رہتی تھیں مگر اس کا خیال ماں کی طرح ہی رکھنے لگی تھیں۔ روبرو ہوتے ہوئے ابھی اس سے جھجک بھی انہیں۔

”جویریہ کو کچھ مت کہا کرو بہو! وہ اس گھر میں اب چند ہفتوں کی مہمان ہے۔“ دادی جان وہاں آ کر جویریہ کو سینے سے لگاتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”بیٹیاں تو مہمان ہوئی ہی ہیں اماں! لیکن میرا

بھی فیصلہ سن لیں۔ جب تک اس گھر میں بہو نہیں آئے گی، جو یہ سسرال نہیں جائے گی۔
 ”ہرا۔ یہ بولی ناہات!“ سو پرانے لہرا کر پر جوش نڈ میں پڑی۔

”بہو تو جب آئے گی، جب بیٹے کی رضا ہوگی۔ ہاں تو بیٹے صاحب کی جھوٹی کاظم بیٹے سے لگائے محرم رہے ہیں۔ انہیں کسی کی فکر ہے نہ پرانے۔“ دادی لہجہ جلا کر لہا۔

”ایسی کوئی بات نہیں سے اماں! میں نے عمیر سے علوم کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس نے اس بھینٹ کے بیٹے کے لیے یہ فرسٹی کھائی سادھی ہے جو قطعی بخت نہیں ہے۔“ فائزہ بیگم نے ہکا بکا کھڑے ٹیل کی چاب دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”عمیر! انہیں چھوڑوں گا نہیں میں، ایلڈیٹ۔“ نے تصور میں عمیر کی درگت بنائی تھی۔
 ”واہ بھئی! شاہاں ہے! بوز سگی دادی کی چاہ کا یہ دیا ہے تم نے۔“

”دادی جان! پلیز، آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا مدد آپ کی دل آزاری ہرگز نہ تھا بلکہ ان دنوں کے پرزور مطالعوں سے گھبرا کر مجھے وہ سب کہنا تھا۔“ اس نے ناراض دادی کو مناتے ہوئے کی سے کہا۔

”مخالف کر دیں اماں! ابھی ہے آئندہ کبھی ایسی نہیں ہوگی۔“ فائزہ بیگم کے کہنے پر اماں کا غصہ ہوا تو وہ بولیں۔

”وہ شرط پر اس کو معاف کروں گی۔ پہلی شرط تو یہ تم ماں اور بیٹا اپنے درمیان قائم مصنوعی بیگانگی و نفرت کو دھوا کر گراؤ۔“

ماں! اماں تو اس کا احساس وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ بہت بد نصیب ہوں میں جو فضول کے پیچھے بیٹے کی دشمنی بنی رہی۔ آپ نے کہا تھا، ماں تو ماں ہوتی ہے اس کے لیے اولاد ولاد ہوتی ہے۔ سگے، سو تھیلے کی تفریق سے میں اتنی شرمندہ ہوں بیٹا! کہ آپ سے تو کیا

خود سے نگاہ ماننے کے قابل نہیں ہوں۔“
 ”ایسا نہ نہیں پلیز، گستاخیاں و زیادتیاں مجھ سے بھی کم نہیں ہوتی ہیں۔ بس اب تکلیف دہ باتوں کو آج سے چھوڑ کر ہم اپنائیت و خوشیوں کی راہ پر چلیں گے۔“ گھوٹیل نے نام و شرمندہ فائزہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو ہم آنکھوں سے انہوں نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر دم کر دیا اس سے نوازا تھا۔

”میری دوسری شرط اس لوکان کھول کر، جب تک یہ شادی کے لیے ہاں نہیں کرے گا، تب تک میں اس سے ناراض رہوں گی۔ اگر اسے کوئی لڑکی پسند ہے تو یہ ایک بیٹے کے اندر اندر ہمیں اس کا پتا دے دے۔ ورنہ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد ہم اپنی پسند کی لڑکی کو حوالہ کر شادی کی تاریں طے کر دیں گے۔“

”دادی جان! ایک ہفتہ بہت کم ہے۔ پلیز کچھ دن اور بڑھا دیں۔“
 ”نہیں، ہاں نہیں۔ ایک ہفتے سے کم نہ زیادہ۔ صرف ایک ہفتہ ہے تمہارے پاس۔“
 ان کے حکم پر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔

”کس کا فون تھا؟“ مہکار کا سر پچھو اور ریسیور غصے سے رکھنے کے انداز سے وہ کچھ چلی تھیں کہ کس کا فون ہو سکتا ہے مگر پھر بھی انجان بن کر پوچھنے لگیں۔
 ”آپ بخوبی سمجھ سکتی ہیں باجی! کس کا فون ہو سکتا ہے۔“ اس کا مودا بھیجی بھی بڑا ہوا تھا۔

”میرے خیال میں تم اس کی بات سن لو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جو کچھ اس سے ہوا وہ اس کے پروفیشن کا حصہ تھا۔ اس نے کسی ذاتی دشمنی کی بنا پر تمہیں ناراض نہیں کیا تھا۔ وہ بارہا ان چار دنوں میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تم بہت کئی ہو مہکار، ایک بہت شاندار سائنس دانہ تمہیں شریک حیات بنانے کے لیے کس طرح جدوجہد کر رہا ہے۔ ان چار دنوں میں انہوں نے کتنے چکر مہیا کیے لگائے ہیں۔ بے شمار فون کا لڑکر چکا ہے۔ مگر تم اتنی طور اور سنگ دل بنی ہوئی ہو کہ اس کے آتے ہی کمرے میں بند ہو جاتی

ہو۔ ریسیور اس کی آواز سننے ہی رکھ دیتی ہو۔ میری ماں ایک بار تنہائی میں سوچو تو کسی اس کے بارے میں۔“
 ”باجی! پلیز، مجھے مجبور نہ کریں۔ ہاں اگر آپ لوگوں پر میں بوجھ۔“

”نشت! اب مہکار، ہمارے خلوص، بے غرض محبت کو کسی کی دیوانگی کی خاطر راندنا نہ کرو۔ تم ہم پر نہ اب بوجھ ہو اور نہ بھی بوجھ ہوگی۔“ اماں نے اس کی بات قطع کر کے تیزی سے کہا اور کمرے سے نکل گئی تو اسے اپنی جذباتیت کی انتہا کا احساس ہوا کہ شخص اس شخص سے بدگمانی کے باعث وہ اپنے محسنوں کی کھری نیت پر شک کر رہی تھی۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی وہ اس کے کمرے میں آ کر افسردہ بیٹھی اسما کے شانے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

”مجھے معاف کر دیجیے باجی۔ میں جذباتیت میں فضول بول گئی تھی۔“

”کوئی بات نہیں، میں ناراض نہیں ہوں، بس آج سے یہ ناک ختم، میں عمیر کو بھی منع کر دوں گی کہ وہ شہو نیل کو لگا کر کر دیں جس کی وجہ سے ہمارے درمیان بد مزگی و بدگمانی پیدا ہو۔ وہ بات اس گھر میں نہیں ہونی چاہیے۔“

وہ جسے یہ بھرپور زعم تھا کہ کوئی بھی لڑکی اس کی رفاقت سے انکار نہیں کر سکتی۔ وہ جس کو چاہے پاس لگا ہے کہ اپنی بھرپور مردانہ وجاہت، اعلیٰ خاندانی بیگ گراؤنڈ اور بڑی جائیداد کے اگلوتے وارث ہونے کے علاوہ ایک پرسکون جاب پر فائز ہونے کا احساس اسے تھا۔

لیکن اس کی خوش فہمی و تفاخر کو ایک بہت عام سی لڑکی نے پکڑ چکا تھا۔ گزشتہ چھ روز سے وہ اس کے پیچھے خوار ہو رہا تھا مگر وہ معمولی سی بھی لفت نہیں دے رہی تھی۔ عمیر اور اسما نے بھی صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مہکار کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے۔ اسے تنہا ہی اپنا مسئلہ حل کرنا تھا اور پرالیم یہ بھی کہ صرف ایک دن باقی تھا دادی کی شرط پوری کرنے کے

اقوال زریں

ہرے دوستوں سے بچو کیونکہ وہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں۔

جب تک کسی سے بات چیت نہ کرو اسے حقیر نہ جانو۔

ہر تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی ترجمان ہے۔

ہر دولت کے جھوکے کو کبھی حقیقی سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔

ہر ناکامی کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ ناکامی کے بعد مایوس نہ ہوا جائے۔

ہر دشمن کو نیک مشورے سے شکست دو اور دوستوں کو اخلاق و انکسار سے اپنا گرویدہ بناؤ۔

ہر عورت مصیبت و غم کو کم کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

ہر امید کا دوسرا نام غریبوں کی قوت ہے۔ (بابا حسین۔ کراچی)

لیے۔ اگر کل کا دن بھی یوں ہی گزر گیا تو پھر وہ دادی جان کو نہیں روک سکتا تھا۔ ہاں اگر اس شام وہ سرنگی دھند میں آنکھوں میں ناپسندیدگی، چہرے پر بے چہاری لیے وہ گلاب چہرہ اچانک ہی اس کے دل کے منتقل دروازے کھول کر براہِ برہان نہ ہو جاتا تو وہ دادی کی منتخب کردہ کسی بھی لڑکی کو پوری سچائی سے اپنا لیتا۔ مگر اب بات دل سے زیادہ ضد و خود سری کی آگئی تھی۔ اسے زندگی میں بہت کم چیزیں اور بہت ہی کم چہرے پسند آئے تھے۔ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اس نے لاکھ جتن کر کے حاصل کیا تھا۔ مہکار بھی اس کی ضد بن گئی تھی۔ وہ مردانہ انا کو چل کر اس کی طرف بھٹکا تھا کہ جب بات محبت کی ہوتی پھر جھکا، چپک کر نامعرب نہیں لگتا۔

ابھی وہ انہی سوچوں میں غم تھا کہ عمیر

ہاسپٹل سے آگئی اور وہ کار کی چابی اٹھا کر کار ہاسپٹل کی طرف دوڑانے لگا۔

❖❖❖

مہیار نے اضطراری انداز میں کئی چکر گیسٹ کے گالے لیے تھے۔ صبح اسامہ شہید تکلیف میں ہاسپٹل گئی تھیں۔ وہ اتنی بدحواس ہوئی تھی کہ انہیں تکلیف میں دیکھ کر کہہ ہاسپٹل کا فون نمبر بھی نوٹ کرنا بھول گئی۔ گھر کا فون اچانک ہی فیل ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا بڑوں سے فون کر کے ان کی خبریت معلوم کر لیتی۔ صبح سے وہ پھر فیل ہوئی تھی۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ رو رو کر اسامہ اور اس کے بونے والے بچے کی سلامتی کی دعائیں بھی مانگ رہی تھی کہ کال فیل کی آواز سن کر ننگے پاؤں گیسٹ تک گئی تھی اور گیسٹ کھول کر سامنے کھڑے شموئیل کو دیکھ کر بے ہوش ہو کر تھوڑا سا کت رہ گئی تھی، پھر بولی۔

”آپ؟ باجی اور بھائی جان گھر پر نہیں ہیں۔“

”جیسے میرے ہی بیجا ہے ہاسپٹل سے۔“

”آپ جلدی سے میرے ساتھ چلیں۔“ اس کے اصرار پر وہ اور گھلت بھرے انداز نے اس کی تیزی و طراری ادائی اور وہ سو سے جاگ اٹھی۔

”باجی کیسی ہیں؟ سب خیریت تو ہے نا؟“ اس نے پڑتے چہرے، کانپتے لہجے میں پوچھا۔

”آپ جلدی سے آئیں میں کار اشارت کر رہا ہوں۔“ وہ جواب دینے کے بجائے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کا دل دھڑکنے سے بے ہوش کر دیا۔ اس نے دو تین بار صورت حال جاننے کی کوشش کی مگر وہ کوئی جواب دینے بغیر کافی رش ہو کر رہا۔ اور وہ خاموش ہو کر قرآنی آیتوں درمیان ”سب خیریت ہو“ کی دعائیں مانگتی۔ پھر اس نے رستہ واضح پر نگاہ ڈالی۔

ہوئے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا۔ حالانکہ وہ کئی بار اسامہ کے ساتھ اس کی چپک اپ ڈیٹ پر جاتی رہی تھی۔ مگر سے ہاسپٹل بہت نزدیک تھا صرف پندرہ بیس منٹ کی مسافت پر۔ پھر یہ کہاں کے گرجا تھا؟ اس نے گھبرا کر کھڑکی سے باہر بخور دیکھا۔ بالکل انجانا راستہ تھا۔ غیر آباد و سلسلا علاقہ۔ اس پر وحشت سوار ہونے لگی۔

”یہ... یہ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہیں؟“ وہ اس کی طرف رخ کر کے چیخیں۔

”ہاسپٹل“ سمجھو وہ سپاٹ لپٹے میں جواب آیا۔

”کون سے ہاسپٹل؟“

”یہ تو مرنے کے بعد ہی معلوم ہوگا کہ لوگ ہماری لاشوں کو کون سے ہاسپٹل لے کر جائیں گے۔ پوسٹ مارٹم کے لیے۔“ اس کا انداز ہنوز سپاٹ تھا۔

”سنگ... کیا؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“

”میرے پاس صرف یہ چند گھنٹے ہیں۔ پھر کل سے نیا ہفتہ شروع ہو جائے گا۔ تم ایک انتہائی بے وقوف و احمق لڑکی ہو۔ تمہاری نگاہوں میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے، فضول ضد کچڑ کر بیٹھ کر ہو کہ میں نے مار چر کیا تم پر۔ مگر یہ تو سوچو صابر ملک نے تمہیں کیا بنا کر میرے سامنے پیش کیا تھا اور تم نے بھی ایسی اداکاری کی تھی، جن عورتوں و لڑکیوں کو میں پسند نہیں کرتا، سوچو اگر میں ایک بدکردار مرد ہوتا تو... تم کہاں ہوتیں آج؟“ اس نے درشت لہجے میں کہتے ہوئے خشونت بھری نگاہیں اس کے چہرے پر ڈالیں تو مہیار کی آنکھیں بے اختیار ہی جبک گئی تھیں اور ذہن میں جھماکے سے ہونے لگے تھے۔

”اگر تم یہ خواہش رکھتی ہو کہ میں تم سے اپنے رویے کی معافی مانگوں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا وہ رویہ ایک ایسی بھڑکائی کے لیے تھا جس کا سامنا ایک ایسا مرد تھا جس کا ہر عمل اتنا کروہ و قابلِ نفرت تھا کہ جس کو مٹانے کے لیے میں آخری سانس تک جدوجہد کرتا۔ جب میں حقیقت سے باخبر ہوا تو میں نے تمہیں

رکھا۔ اگر تم اب بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی بر قائم ہو تو میں بھی تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گا۔ مگر تمہارا بیچھا زندگی میں نہیں چھوڑوں گا۔“ اس نے خوفناک انداز میں کار وہ بارہ اشارت کرتے ہوئے سرکش سے کہا۔

”میں آپ سے ہی نہیں، بلکہ دنیا کے کسی بھی مرد سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ مہیار نے روتے ہوئے کہا۔ ”مجھے دنیا کے کسی بھی مرد پر اتنا ہار نہیں رہا ہے۔“

”مرد کے بغیر اس معاشرے میں عورت تنہا رہ بھی نہیں سکتی میڈم۔“

”اگر محافظ ہی لیسرے بن جائیں تو؟“

”نہ ہی سارے مرد بے حیثیت و بے ضمیر ہوتے ہیں اور نہ ہی تمام عورتیں پارسا و پاک دامن۔ کچھ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہر آسائش و راحت میسر ہوتے ہوئے بھی بے راہ روی و بد چلتی کو اپنا شعار بناتی ہیں اور کچھ عورتیں اتنی عقلمند و قابلِ احترام و ستائش ہوتی ہیں کہ غلاطیت بھرے ماحول میں رہنے کے باوجود اس غلاطیت و نقصان زدہ ماحول کو دل سے نہیں اپناتیں۔ اس ماحول کا حصہ نہیں بنتیں، ان کے ضمیر ایمان و توبہ کے نور سے صفا روشن رہتے ہیں۔“

سو نیا اور منہوش کی تمہارے سامنے مثالیں ہیں۔ وہ دونوں ایک مرد سے دھوکا کھا رہی تھیں پھر انہوں نے کیوں مجھ پر اعتبار کر کے اتنا رسک لیا تھا؟ پھر تم چھ سات ماہ سے میرے گھر میں رہ رہی ہو۔ بتاؤ تم نے اس میں کوئی غیر اخلاقی حرکت دیکھی؟“

وہ درشت لہجے میں بولتی ہی چلا گیا اور اس کی نگاہوں سے کئی پڑے ایک ساتھ غائب ہوئے تو وہ ندامت و شرمندی کے احساس سے لگا ہی نہ اٹھا سکی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا، تم لڑکیاں اتنے آنسو کیسے بہا لیتی ہو؟ دکھ ہے تو آنسو، خوشی ہے تو آنسو، من ہے تو آنسو، جدائی ہے تو آنسو۔ اب آپ کس خوشی میں آنسو بہا رہی ہیں۔ نہیں کروں گا میں آپ سے زبردستی شادی۔ ہاں مگر یہ عہد ہے خود سے۔ ابھی نہیں تو بھی نہیں۔ ساری زندگی میں تنہا گزارا۔“

”اگر تم یہ خواہش رکھتی ہو کہ میں تم سے اپنے رویے کی معافی مانگوں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔ میرا وہ رویہ ایک ایسی بھڑکائی کے لیے تھا جس کا سامنا ایک ایسا مرد تھا جس کا ہر عمل اتنا کروہ و قابلِ نفرت تھا کہ جس کو مٹانے کے لیے میں آخری سانس تک جدوجہد کرتا۔ جب میں حقیقت سے باخبر ہوا تو میں نے تمہیں

ضد و فیصلے سے تم واقف ہو چکی ہو۔ اسامہ بھائی عمیر کے کسی دوست کی وائف کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں جو شہر سے باہر ہے۔ جہاں ہم ابھی کچھ دیر بعد پہنچ جائیں گے۔ وہ اور ان کا بیٹا بالکل خیریت سے ہیں۔“

”اتنی گلدنیز آپ اتنی دیر بعد دے رہے ہیں؟“ اسامہ کی خیریت اور بچے کا کرا سے جھپٹی خوشی ہوئی تھی۔ ”کون ہے ان کے پاس؟ عمیر بھائی تو بہت خوش ہوں گے۔“

”بھائی کے پاس دادی جان اور مٹی کو چھوڑ کر آیا ہوں۔ عمیر نہیں آسکتا تھا اس لیے اس نے مجھے، تمہیں لینے بھیجا تھا۔ وہ ناراض انداز میں تفصیل بتاتا ہوا بہت خفا لگا۔

”اور آپ نے مجھے ڈراڈر کر بے حال کر دیا۔“

”بے حال کس نے کس کو کیا ہے۔ یہ مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟“

”ٹرین کے سفر میں سرتاجھ رہنے والا سنجیدہ، تند مزاج و بے مہر نظر آنے والا شخص اس قدر متضا طبیعت کا مالک ہوگا، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“ مہیار طمانیت سے مسکرا کر بولی۔

”واٹ؟ کون سا ٹرین کا سفر؟“ سامنے سبزے میں گھرے ہاسپٹل کے گیسٹ کی طرف کارٹن کرتے ہوئے اس نے تعجب سے پوچھا پھر ایک دم چونک کر بولا۔ ”وہ تم تھیں؟“

”جی جناب! جس کو آپ کی نگاہیں گونگی، بھری لڑکی کا خطاب دے چکی تھیں۔ اب یہ لڑکی سننے، بولنے کے علاوہ ”مردوں“ پر اعتبار کرتا بھی سیکھ گئی ہے۔“

”جی جناب! جس کو آپ کی نگاہیں گونگی، بھری لڑکی کا خطاب دے چکی تھیں۔ اب یہ لڑکی سننے، بولنے کے علاوہ ”مردوں“ پر اعتبار کرتا بھی سیکھ گئی ہے۔“